سلسلہ معارف قرآنیہ نمبر (۳)

اے بیخبر بخدمت قرآن کمر بہ بند
زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

اسماء القرآن فی القرآن

مرتبہ

خاکسار یعقوب علی عرفانی کبیر، مؤسس و ایڈیٹر الحکم مرتب تفسیر القرآن وغیرہ

ستمبر ۱۹۴۷ء

محمودیہ مشین پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوا

پہلی مرتبہ

قیمت معہ محصول ڈاک فی نسخہ ۸ آنہ

شکریہ

الف ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسان کا شکر گزار نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی نہیں ہو سکتا۔ اور روح شکر گزاری انعامات کے اضافہ کا ذریعہ ہے۔ میں نہایت اخلاص سے حضرت قاضی اکمل صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس رسالہ کی کاپیوں کی صحت میں پوری توجہ سے مدد کی جزاہم اللہ احسن الجزا حضرت قاضی صاحب نے اپنے تاثرات کا اظہار کر کے بھی ممنون فرمایا اور پھر عزیز مکرم سیٹھ محمد عبدالحی احمدی ابن حضرت سیٹھ حاجی حسن احمدی رضی اللہ عنہ نے اشاعت کے لیے میرا ہاتھ بٹایا اس نیت سے کہ ان کے والد مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اور مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور دوسرے احباب کو بھی توفیق دے کہ وہ اس سلسلہ خدمت قرآن کریم میں میرے ساتھ تعاون فرمادیں۔

۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

خاکسار یعقوب علی عرفانی کبیر

الحکم قادیان

عذر:- مجھے نہایت افسوس ہے کہ بعض اغلاط طباعت و کتابت میں رہ گئی ہیں انشاء اللہ دوسرے اڈیشن میں اصلاح ہو جائے گی۔ خاکسار عرفانی کبیر

اسماء القرآن فی القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمہیدی نوٹ

قرآن مجید میں مختلف مقاصد کے زیرِ نظر قرآن مجید کے مختلف اسماء بیان کئے گئے ہیں۔ عام طور پر قرآن مجید کے اسماء کی حقیقت پر غور نہیں کیا گیا۔ اور جن لوگوں نے کبھی اسماءِ قرآنی کی توضیح کرنی چاہی ہے انہوں نے بھی سرسری نظر سے صرف اس قدر بیان کر دینے پر کفایت کی کہ مختصر سی وجہ تسمیہ بیان کر دی۔ اس خصوص میں حضرت مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر اتقان کے سترہویں نوع میں بحث کی ہے۔ میں حضرت ممدوح کی اس سعی کا احترام کرتا ہوں مگر باوجود اس عزت و احترام کے جو جناب ممدوح کے متعلق میرے دل میں ہے یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ

این زمین را آسمانے دیگر است

قرآن کریم کے علوم اور اسکے حقائق و معارف ہر زمانہ میں اس کی

ضرورت کے موافق خدا تعالیٰ کے مخلص مقربین پر نازل ہوتے رہے مگر قرآن کریم کے حقائق و معارف اور اس کے علوم کی تجلی کامل کے لئے خدا تعالیٰ کی مشیت نے اس عہد کو مقدر کیا تھا جبکہ دنیا کے تمام مذاہب اور علوم میدان میں آجائیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جبکہ قرآن مجید کی پیشگوئی پوری شان اور جلال کے ساتھ پوری ہوگی۔ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورہ صف آیت ۹) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین الحق دیکر بھیجا۔ اور مقصد یہ ہے کہ اس دین اور اس ہدایت کو تمام ادیان پر غالب ثابت کر دکھائے۔ خواہ یہ امر مشرکوں کو ناپسند ہی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ نے تکمیل ہدایت فرمائی اور اس ہدایت میں ان تمام دلائل و براہین کو بھی بیان کر دیا جن کو لے کر اسلام کل ادیان پر غالب ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثتِ اوّل اس تکمیل ہدایت کا عہد سعادت تھا۔ اور تکمیل اشاعتِ ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثتِ ثانیہ کے عہد سعادت کو مقرر فرمایا تھا

اور یہ وہ زمانہ ہے جس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تفصیلی بشارات احادیث میں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ اس زمانہ میں قرآن مجید اٹھا لیا جاوے گا۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ قرآن مجید

موجود نہ ہوگا بلکہ اس کا مطلب واضح اور صاف ہے کہ علماءِ ربانی نہ رہیں گے اور قرآن مجید کی عملی رُوح کا فقدان ہوگا۔ (الا ماشاء اللہ) چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے مشکوٰۃ باب العلم میں ایک حدیث آئی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آجائے گا جب اسلام صرف رسمی طور پر رہ جاوے گا (یعنے اسلام کا نام ہوگا مگر اس کی عملی روح مفقود ہو جائے گی) اور قرآن کریم میں سے کچھ باقی نہ رہے گا مگر اس کے الفاظ (یعنے قرآن مجید پر عمل متروک ہو جائے گا) ان کی مسجدیں معمور ہوں گی (لیکن مساجد کے اغراض و مقاصد پورا نہ ہونیکے باعث) اور ہدایت نہ ہونے کے باعث ویرانہ کا حکم رکھیں گی۔ اور اُنکے علماء بگڑ کر ایسے خراب ہوں گے کہ آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی بُرا نہ ہوگا۔ ان سے ہی فتنہ نکلے گا اور ان کی ہی طرف عود کرے گا۔"

اس حدیث سے اِس زمانہ کا پتہ لگتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور بھی نشانات اِس زمانہ کے بتائے ہیں اور فرمایا کہ اُس وقت ایک فارسی الاصل انسان ہوگا جو ایمان کو ثریا سے لے آئے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے جبکہ لوگ قرآن مجید پڑھیں گے اور وہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔

یہی وہ عصرِ سعادت ہے جسمیں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں

اس زمانہ میں علوم اور سائنس کے ذریعہ آئے دن عجیب و غریب انکشافات ہو رہے ہیں اور یورپ کے فلاسفر اور سائنس دان اپنے ان علوم کے ذریعہ قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان اعتراضات کے جواب کے لئے اور قرآنی حقائق و معارف کے ذریعہ غلبہ اسلام کے لیے اور قرآنی ہدایت کے موافق عملی زندگی پیدا کرنے کے لیے

قرآن مجید کا گویا نزول ہو رہا ہے۔

اس چشمہ ہدایت و صداقت سے بہرہ اندوز ہو کر میں قرآن کریم کے اسماء کی حقیقت کے اظہار کی ایک حقیر سعی کر رہا ہوں۔ حضرت مولانا جلال الدین سیوطی رح نے اسماء القرآن کے متعلق نہایت مختصر سا نوٹ دیا ہے۔ مگر میں خود قرآن مجید کی ہی روشنی میں اسماء القرآن کی حقیقت بیان کر رہا ہوں۔
وباللہ التوفیق۔ (عرفانی کبیر)

اسماءِ قرآنی کی تفصیل اور حقیقت

قرآن مجید کے اسماء حامل حقیقت ہیں

یہ امر بحضورِ دل یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کے اسماء میں ایک صداقت اور حقیقت مضمر ہے اور وہ قرآن مجید کے نزول کے مقصد اس کی صداقت کے دلائل اور کامیابی اور غلبہ کی پیشگوئیاں اپنے اندر رکھتے ہیں اور اپنی جلالتِ شان کو لئے ہوئے خود حضرت سرورِ دو عالم رحمۃ للعالمین

کی پاک اور مطہر زندگی کا مظہر ہیں۔ اس لئے کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضؓ نے کیسا جامع جواب دیا کہ

رسول کریمؐ کے اخلاق و سیرۃ قرآن ہی تو ہے!

یعنے قرآن مجید جیسے ہر قسم کی ہدایات اور عملی زندگی کا ضابطہ ہے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ پس قرآن مجید کے اسماء اپنے اندر ایک حقیقت رکھتے ہیں۔ ایسی حقیقت جو ایک لفظ میں انسان کی عملی زندگی کے لیے رہنما ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل کے لئے غور کیا جاوے۔ اب میں ہبر وار قرآن کریم کے ان اسماء کا ذکر کرتا ہوں جو خود قرآن مجید نے بیان کئے ہیں۔ ان اسماء کے بیان کرنے میں کسی خاص ترتیب کو زیرِ نظر نہ رکھوں گا گو اس میں ایک قسم کی ترتیب بھی انشاء اللہ ہو گی۔

(۱) الکتٰب

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے (جس کو میں ترتیب ترتیلی کہتا ہوں) میں سب سے پہلا نام قرآن کریم کا

الکتٰب ہے

حاشیہ: میں جب فوز الکبیر پڑھ رہا تھا تو میرے شیخ استاذی المکرم حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے مجھے فوز الکبیر کے اردو ترجمہ کا حکم دیا اور

چنانچہ سورۃ بقرہ اسی نام سے شروع ہوتی ہے ۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

الکتاب کا مفہوم

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ جو عالم کُل ہوں اس کی طرف سے یہ کتاب نازل ہوئی ہے اور یہی کتاب تو ہے جس میں کسی قسم کی ہلاکت کی راہ نہیں اور جو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہے اور وہ ایک محفوظ صحیفہ ہے جس میں کبھی اور کسی زمانہ میں کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف نہیں ہو سکتی ۔

میں نے لفظی ترجمہ نہیں کیا بلکہ لفظ کتاب کے لغوی معنی کو مدنظر رکھ کر اس کا مفہوم مختصراً بیان کیا ہے ۔ قرآن مجید کا نام کتاب قرار دے کر آگے قرآن مجید قرآن مجید کے نزول کا مقصد اور اس مقصدِ عظمیٰ کے حصول کے ذریعے اور اس کے ثمرات و نتائج کی صراحت فرمائی ہے جس کی طرف میں اس مقام اور موضوع کے لحاظ سے صرف اشارہ کر رہا ہوں ۔ اور قرآن کریم کے ہر پڑھنے والے پر سورۃ بقرہ کے پہلے ہی رکوع کو پڑھ کر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے ۔

قرآن کریم اور عربی زبان کا کمال

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا نزول

اس پر نوٹ لکھنے کی ہدایت فرمائی میں جب ترجمہ کر رہا تھا اور نوٹ لکھ رہا تھا (جو حضرت مسیح موعود کے ہاتھ سے درست کئے ہوئے موجود ہیں) تو مسئلہ ترتیب پر مجھے تفہیم ہوئی کہ قرآن مجید کی ایک ترتیب نزولی ہے اور ایک ترتیب ترتیلی ۔ میں اس وقت تک اس اصطلاح سے ناواقف تھا اور اب تک بھی میری نظر سے یہ نہیں گذری مگر میں اسے اللہ تعالیٰ کے فضل کا نشان سمجھ کر اسے استعمال کرتا ہوں (عرفانی)

عربی زبان میں ہوا ہے جیسا کہ فرمایا (سورۃ زخرف پارہ ۲۵ رکوع اوّل آیۃ ۴)
اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؁ یعنے بیشک
ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

عربی زبان ایک زندہ زبان اور اُمّ الالسنہ ہے۔ اِس موضوع پر
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور تمہید اور اشارات کے ایک
مخصوص کتاب لکھی ہے۔ اور چونکہ آپؑ ہی قرآن کریم اور ایمان کو آسمان سے
لانے کا ذریعہ ہوئے ہیں اس لئے آپؑ ہی نے

سب سے اوّل یہ مسئلہ پیش کیا کہ عربی اُمّ الالسنہ ہے

آپؑ کے اِس دعوے نے فلالوجسٹ (عالمانِ علم اللسان) میں ایک نئے
علم کی بُنیاد رکھی۔ میں اِس وقت عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے
دلائل نہیں لکھ رہا بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کو
ایک ایسی زبان میں نازل فرمایا ہے جو اُمّ الالسنہ ہے۔ اور یہ بالکل فطری
طریقہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی مخاطب تمام اقوام عالم ہیں کوئی خاص مُلک
اور قوم نہیں۔ اس لئے وہ ایسی زبان میں ہی ہونا چاہیئے تھا جو ہر طرح سے کامل
اور قریب الفہم ہو۔ عربی زبان کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک
یہ ہے کہ جہاں دوسری زبانوں میں بعض جذبات اور مفہوم کے اظہار کے لئے
مرکب الفاظ اور جُملے استعمال کرنے پڑتے ہیں عربی زبان اپنی جامعیت اور
وسعت کے لحاظ سے اُنہیں مُفرد الفاظ میں ظاہر کر دیتی ہے۔ اور اس میں
کثرت سے مختلف خیالات، مختلف جذبات، مختلف مظاہرِ قدرت کے لئے

مختلف مفرد الفاظ موجود ہیں۔ یہ بجائے خود ایک لذیذ اور وسیع علمی مضمون ہے۔ میرا مقصد یہاں یہ بتانا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کا کمال یہ ہے کہ ہر لفظ اپنے اندر ایک وسیع مضمون کو لئے ہوئے ہے اور اگر ہر لفظ کی لغوی حقیقت پر غور کیا جاوے تو

حقائق و معارف کا ایک بحر ذخار نظر آتا ہے۔

الکتٰب کا مفہوم یہاں قرآن کریم کا نام الکتٰب رکھا ہے۔ کتاب کے مفہوم اور معانی میں یہ بات داخل ہے کہ اس میں مختلف مضامین کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور لفظ کتاب تحریر، فرض، حکم، اندازہ اور محفوظ کے معانی کو بھی لئے ہوئے ہے۔ اور ان تمام معانی کے لحاظ سے قرآن کریم کا نام الکتٰب اپنے اندر ایک عظیم الشان صداقت اور پیشگوئی کا حامل ہے جو ہر زمانہ میں اپنی سچائی کو ثابت کرتی رہے گی۔ کتاب کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے اب قرآن کریم کی تاریخی حیثیت پر نظر کرو۔

قرآن کریم کی تاریخی حیثیت لفظ کتاب کے مفہوم اور معانی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ محفوظ اور مکتوب ہو۔ فارسی زبان میں کہتے ہیں

نوشتہ بماند سیاہ بر سفید

اور تحریر اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ ایک مفہوم یا معاہدہ یا حکم کو محفوظ کر دیتی ہے۔ قرآن مجید کا نام الکتٰب رکھ کر یہ بتا دیا کہ وہ ہمیشہ لکھا جائے گا اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اس میں کسی قسم کی دست اندازی، تحریف

وتبدیل نہ ہو سکے گی اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ

دُنیا میں یہی ایک محفوظ کتاب ہے۔

یہ دعویٰ محض زبانی گپ نہیں اور نہ دل کے بہلانے کے لئے یہ خیال اچھا ہے کا مصداق ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے، ایک لازوال صداقت ہے۔

ایک دُکھ کی بات

مَیں جب اِس موضوع پر غور کرتا ہوں اور قرآن مجید کی اِس صداقت کی شان پر سوچتا ہوں کہ دُنیا میں یہی ایک کتاب ہے جو محفوظ ہے تو جہاں میرے دل میں خوشی کی لہر پیدا ہوتی ہے، ایک درد کی ٹیس بھی ہوتی ہے۔

محرمِ این دردِ ما جُز عالمِ اسرار نیست

اور وہ دُکھ کی بات یہ ہے کہ باوجودیکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ خیالی اور وہمی نہیں، ثابت شدہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ایک غیرفانی اور محفوظ کتاب اللہ ہے جس کی حفاظت کا وعدہ خدا تعالےٰ نے خود فرمایا۔ نیز فرمایا کہ باطل اِس پر کسی راستہ سے غلبہ نہیں پا سکتا۔ پھر بھی بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ

قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بصورت کتاب لکھا نہیں گیا

آہ! چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ غیر قوموں کے دشمنوں کو ہر خوبی بھی عیب نظر آتی ہے اور وہ اپنی کج فہمی کی وجہ سے قرآن مجید کی ترتیب اور اس کی تاریخ نزولی پر مختلف اعتراض تراشتے ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ

مسلمان جو اس پر ہر قسم کے اعتراضات کے جوابات دینے کے لئے ذمہ دار تھے اور خود قرآن مجید ہی ہر قسم کے اعتراضات کے جوابات کے لئے ایک ناقابل تسخیر حربہ ان کے ہاتھ میں تھا وہ خود معترضین سے مرعوب ہو کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے اور انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ قرآن کریم نے جو اس قسم کے زمانہ کی پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت مسلمانوں پر ایسا آئیگا کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (سورۃ فرقان پارہ ۱۹- آیت نمبر ۳۰)

اور رسول نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز کی طرح قرار دیا۔

تو اس درد کو اسی مرد خدا نے محسوس کیا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے نام سے

احیاءِ اسلام اور احیاءِ قرآن کریم کے لئے آیا۔

وہ اس درد سے بے قرار ہو کر پکارا ؎

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند — آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

مردم طلب کنند کہ اعجازِ آں کجا ست — صد درد و صد دریغ کہ اعجاز داں نماند

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلا ست — کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معیں — ایں یوسفے کہ ہیچ کسش کارواں نماند

جانم کباب شد ز غمِ ایں کتابِ پاک — چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند

دوش اندکے مرا بجیالے شکیب بود — امشب مپرس حال کہ تاب و تواں نماند

یارب چہ بہرِ من غمِ فرقاں مقدّر است یا خود دریں زمانہ کسے راز داں نماند
امروز گردل از پئے قرآں نسوزدت عذرے دگر ترا بجنابِ یگاں نماند
اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

غرض مغربی معترضین جو مستشرقین کے نام سے پکارے جاتے ہیں انہوں نے بعض مسلمانوں کے اس قسم کے خیالات کی آڑ لیکر قرآن کریم کی ترتیب اسلوبِ بیان اور اس کے محفوظ اور مکتوب ہونے پر مختلف قسم کے اعتراضات کئے۔ ان پر اسلام دشمنی اور تعصّب کا غلبہ تھا۔ عہدِ حاضرہ کے مسلمان مصنفین نے بھی اس طرف توجہ نہ کی۔ آخر یہ سعادت اس رجل فارس اور اس کے متبعین کے حصہ میں آئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کامیاب جرنیل کی طرح قرآن مجید پر حملہ کرنے والوں کو جواب دیا اور ایسے اصول قرآن کریم سے تعلیم کئے کہ آج آپؑ کا ہر خادم معترضین کو دندان شکن جواب دیتا ہے جو حقیقت اور صداقت پر مشتمل ہوتا ہے۔

الحاصل قرآن کریم نے اپنے آغاز ہی میں اپنا نام الکتٰب رکھ کر یہ اعلان کیا کہ یہی ایک کتاب ہے جو تمام صداقتوں کی جامع مکمل اور مرتب اور محفوظ ہے۔ یہ وحی الٰہی بے کے منتشر اجزاء نہیں جیسا کہ بعض اپنی نادانی سے سمجھتے رہے، بلکہ اس کی ترتیب حقائق اور حِکَم کی جامع ہے۔

اور ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے پاک ہے۔

قرآن کریم کی تاریخی حیثیت اتنی بلند اور بے مثل ہے کہ معترض مستشرقین کو بھی بالآخر قرآن کریم کی اس حیثیت کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کتاب بلا کم و کاست وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھی۔ وہ اس کو وحی الٰہی تسلیم کریں یا اس پر کسی قسم کے اعتراضات کریں لیکن قرآن کریم کی اس متحدیانہ قوت نے آخران کے سر کو جھکا دیا۔ چنانچہ ایک بہت بڑے دشمن اسلام سر ولیم میور (جو ایک

سر ولیم میور کا اعتراف

زمانہ میں ممالک مغربی و شمالی جو آج کل صوبجات متحدہ کہلاتے ہیں کا گورنر تھا) اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے دیباچہ میں قرآن کریم کے ذکر پر لکھتا ہے:۔

"جہاں تک ہمارا علم ہے دُنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ صدیوں تک (یہ زمانہ اسکی تحریر کے لحاظ سے ہے۔ اب تو چودھویں صدی قریب الختم ہے عرفانی) ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔"

اور اسی سلسلہ میں ایک دوسرے عیسائی وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے کہ:۔

"ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن شریف کو بعینہٖ (حضرت) محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتا ہے۔"

اگرچہ وان ہیمر اپنے عقیدۂ اسلام دشمنی کے لحاظ سے اس کو

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام کہتا ہے مگر اُسے یہ اعتراف صاف ہے کہ جو قرآن شریف اِس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یہ وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا اور مسلمانوں کو دیا اِس میں کسی قسم کی تحریف وتبدیل نہیں ہوئی۔

اسی طرح نولڈکے نے اور دوسرے مستشرقین نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن مجید بلاکم وکاست وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت میں موجود تھا۔

دوسری بات الکتاب کے نام میں دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ بذریعہ تحریر موجود رہے گی اور لکھی جاتی رہے گی۔ چنانچہ قرآن مجید اس کے متعلق پارہ ۳۰ سورۂ عبس کو رکوع اول میں فرماتا ہے :۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۭ

یعنی (وہ قرآن مجید ایسے) صحیفوں میں ہے (جو) عزت والے ہیں بلند شان اور پاک ہیں (لکھنے والوں اور دُور دُور) سفر کرنے والوں کے ہاتھوں میں (ہیں) جو معزز ہیں اور اعلیٰ درجہ کے نیکوکار ہیں

قرآن مجید کی شان ان آیات میں قرآن کریم کے مقام رفیع اور شانِ عظیم ہی کا ذکر نہیں بلکہ اسکے محفوظ رہنے اور اس کی عالمگیر اشاعت کے متعلق بھی تحدی کی گئی ہے اور قرآن کریم

حاملین اور مبلغین کے مراتب رفیع کی بھی پیشگوئی ہے کہ اللہ تعالٰی اُن کو بھی مقام کریم عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ میں نے ابتدائے مضمون میں بتایا ہے قرآن کریم کا ہر نام اپنے اندر حقائق و معارف کا ایک خزانہ ہے۔ ہاں اس گنج شایگاں سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

کے مصداق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ خود یہ صحیفہ مطہرہ ہے۔ اور واقعات اس کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام پر بھی جہاں اس عصر سعادت کی پیشگوئی فرمائی ہے جو تبلیغ ہدایت کا عہد ہے یہ پیشگوئی فرمائی ہے

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (سورۃ تکویر پارہ ۳۰ رکوع اول آیۃ ۱۱)

یعنی وہ وقت وہ ہوگا جبکہ صحیفے نشر کئے جائیں گے، ان کی اشاعت عام ہوگی۔ اور یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ آج کوئی نادان بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہر مقام اور ہر لفظ پر قرآن کریم کی شان کی عظمت کا لطف آتا ہے کہ وہ بہت سی صداقتوں کا جامع ہوتا ہے۔ قرآن مجید کیلئے بھی صحف کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے اور اپنی عمومیت کے لحاظ سے کتابوں اخباروں اور ہر قسم کے لٹریچر کے مفہوم کو بھی لئے ہوئے ہے۔ اور اس جہت سے بھی قرآن کریم کی یہ پیشگوئی بڑی شان کے ساتھ پوری ہو رہی ہے کہ کتاب کی اشاعت کے لئے کاغذ اور سامان طباعت کے لئے ہر قسم کی آسانیاں اور نقل و حمل کیلئے

سہولتیں پیدا ہو گئیں۔ پھر نُشِرَتْ کے لفظ میں بھی وہ تمام اُمور داخل ہیں جو عملاً ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ نشر کے لفظ سے مُردوں کا زندہ ہونا بھی مراد ہوتا ہے اور اس طرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مُردہ صحیفے بھی زندہ ہو گئے ہیں اور قدیم زمانے کی لائبریریاں اور تحریریں آثارِ قدیمہ کے ذریعے پبلک میں آگئی ہیں اور وہ کتابیں جو صدیوں سے صرف لکھی ہوئی موجود تھیں، اُن کی اشاعت نہ ہو سکی تھی اب شائع ہو رہی ہیں۔

اس وقت اِن آیات کی تفسیر بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ضمناً اس طرف اشارہ کرنا زیرِ نظر ہے۔ اصل موضوع الکتاب جو قرآن کریم کا نام ہے اس کی خصوصیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔

قرآن کریم کو صُحف (صحیفہ) کیوں کہا؟

اس مقام پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید کے اگر یہ صفات ہیں تو اِسے صُحُف کیوں کہا گیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور صُحُف مراد ہیں؟

اِس قسم کے اعتراض قلّتِ تدبّر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں قرآن کریم کے کسی مقام پر اعتراض کیا گیا ہے غور کرنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہاں ہی حقائق و معارف کا ایک گراں قدر خزانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن کریم کے متعلق یہ ارشاد کہ قرآن کریم ایسے صحائف میں ہے جو مکرّمہ، مرفوعہ اور مطہّرہ ہیں اپنے اندر قرآن کریم کی عظمت و کمال

کے ہر پہلو کو لئے ہوئے ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ صُحف کہنے میں کیا حکمت ہے۔

(الف) صُحف کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید مختلف سُورتوں کا مجموعہ ہے اور ان میں سے ہر ایک سورت بجائے خود ایک مستقل صحیفہ ہے اور وہ بجائے خود ایک مستقل اور مربوط و مرتب مضمون کا حامل ہے اور اس طرح بعض احمقوں کے اعتراض کو دُور کر دیا جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں نعوذ باللہ کوئی نظام ترتیب و ربط نہیں ہے بلکہ یونہی ان کو جمع کر دیا گیا ہے بحالیکہ ہر آیۃ دوسری آیۃ سے اور ہر سُورت دوسری سُورۃ سے ایک مرتب نظام کی صورت میں ربط رکھتی ہے۔

(ب) قرآن مجید کو صُحف کہنے میں اِس امر کی توثیق کرنا بھی مقصود ہے کہ تمام صُحفِ سابقہ کی اُن تعلیمات کو جو انسان کی طبعی، اخلاقی اور روحانی اصلاح اور ہدایت پر مشتمل تھیں اور جو مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعہ نازل ہوئیں قرآن مجید نے اُن تمام ہدایات و تعلیمات کو بدرجۂ اتم و اکمل جمع کر دیا اور اس طرح پر قرآن مجید تمام صُحفِ انبیاء کا جامع ہے اور اس کی تائید اور تفسیر قرآن مجید کے دوسرے مقام سے ہوتی ہے جہاں فرمایا

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

یعنی قرآن مجید تمام صداقتوں کا جامع ہے اور یہ بھی کہ قرآن مجید مختلف کُتب یعنے سُورہ ہائے قرآنی کا جو بوقاتِ مختلف نازل ہوئیں جامع ہے اور ان میں سے ہر ایک سُورۃ بلکہ ہر آیت اور ہر لفظ محفوظ اور لافانی

دست بُرد سے پاک اور اس کی ہر تعلیم معقول اور کامل اور لکھی ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی ترتیب ایک طبعی نظام ہے

اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول اور اس کی تعلیمات و ہدایات کی تکمیل ایک طبعی نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ خود انسان کے متعلق جب ہم اُس کے ارتقائی نظام پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر مدارج و مراتب سے گذر کر انسان ہوا۔ قرآن کریم نے انسان کی پیدائش کے فلسفہ اور اُس کے ارتقائی نظام کی تصریح نہایت ہی لطیف پیرایہ میں کی ہے، اور یہی حقیقتِ ارتقا کے مسئلہ میں انسان کی پیدائش کے متعلق اُن مراتبِ ستّہ کا ذکر کرتا ہے جو نطفہ سے لے کر حیاتِ انسانی یعنے نفخ روح یا نشأۃ اُخریٰ تک ہیں۔ پھر اس کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی تکمیل میں مختلف ادوار اس پر آتے ہیں۔ یہ مشاہدہ جس طرح ایک فرد میں نظر آتا ہے اُسی طرح پر قوموں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اس لطیف اور علمی مضمون کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے اور پیدائشِ عالم اور پیدائشِ انسانی اور اُس کی تکمیل کے جملہ مراتب پر حقیقی روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون کا اس مقام سے تعلق نہیں ہے بلکہ نفسِ مضمون کے سلسلہ میں اس کا ذکر آ گیا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اس علمی مضمون کے لئے جو قرآن مجید کے کمال و جلالتِ شان کا مظہر ہے کتاب سیرِ روحانی میں ملاحظہ کریں جو حضرت اولوالعزم

امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ایک تقریر پر مشتمل ہے
غرض جس طرح پر انسان کی تکمیل تدریجی ہوئی اور وہ مختلف ادوار سے گذر
کر ایک متمدن انسان بنا اسی طرح پر اُس کی طبعی، اخلاقی اور روحانی
تکمیل اور اُس کی زندگی کے دستور العمل اور ضابطہ کو اللہ تعالےٰ نے مختلف
اوقات میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ نازل فرمایا اور انبیاء
علیہم السلام کی تاریخ اور ان کے صحائف کے مطالعہ سے اس حقیقت کا
انکشاف ہوتا ہے کہ وہ مختلف اقوام و ممالک میں مبعوث ہوتے رہے۔
اور اُن کی تعلیم عصری ضروریات اور اُن کی طبعی قوتوں کو ملحوظ رکھ کر ہوتی
تھی۔ اور جس طرح پر انسان اپنے ارتقائی مدارج طے کرتا چلا گیا اُسی طرح
پر انبیاء علیہم السلام کی ہدایات میں تدریجی رنگ کمال پیدا ہوتی رہی
یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب انسانی استعدادیں اپنے کمال کو پہنچ
گئیں اور خدا تعالےٰ کی مشیتِ کاملہ نے انسانی اخلاق اور روحانی
ترقیات کی تکمیل کے لئے

کامل انسان کو نازل فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم)

جو ربّ العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین ہو کر آیا۔ اُس کی نبوّت و
ہدایت کا دائرہ کسی خاص قوم، خاص مُلک پر نہیں کھینچا گیا بلکہ اُس کے
منصبِ نبوّت کے دائرہ کا مرکز نسلِ انسانی تھی۔ وہ کسی ملک میں رہتی ہو،
کسی رنگ اور نسل کی ہو اس لئے اُسے حکم ہوا کہ وہ اپنی نبوّت و رسالت کا
اعلان اِن الفاظ میں کرے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اعلان کردو اور کہدو، اے لوگو! مَیں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔

پس یہ طبعی تقاضا تھا کہ اب جو ہدایت اس رسول کے ذریعہ آئے وہ ہر پہلو سے کامل اور آخری ہو اور اسے غیر فانی اور ابدی ہدایت نامہ دیا جاوے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ کریم ہی نے لی چنانچہ اس ہدایت نامہ کی تکمیل کے لئے فرمایا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

اور انسانی دست بُرد سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی فرمایا نَحْنُ لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔ اِس سارے سلسلہ پر غور کرنے سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق صُحف کا لفظ استعمال کرنے میں کیا حکمت اور حقیقت ہے۔ یہاں صُحف کے بعض صفات مکرمہ، مطہرہ، مرفوعہ بیان کئے ہیں۔ مَیں ان پر بحث اُس مقام پر انشاء اللہ العزیز کروں گا جب قرآن مجید کے اسماء میں سے تذکرہ پر بحث ہو گی۔ وباللہ التوفیق

مَیں پھر اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ کہ قرآن مجید کا ایک نام الکتٰب ہے اور الکتٰب نام رکھنے کی حقیقت اور مقصد

بھی ایک حد تک میں نے بیان کیا ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الکتٰب کے صفات خود قرآن مجید نے کیا بیان کیے ہیں اور مختلف مقاماتِ قرآن مجید میں اس نام کا اظہار کس کس رنگ میں ہوا ہے؟

(۱) سورۃ آل عمران رکوع اول آیۃ نمبر ۱-۳

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

ترجمہ:- میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی محبوب، مطلوب اور معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ، خود قائم اور قائم رکھنے والا ہے۔ (ان صفات سے موصوف اللہ تعالےٰ نے) تجھ پر الکتٰب نازل فرمائی ہے جو حق ہے اور وہ ہر صداقت کی جو اس کے سامنے ہے (یعنے پہلے ہو یا پیش آنے والی ہو) مصدق ہے اور توراۃ اور انجیل کو بھی نازل فرمایا جو قرآن مجید کے نزول سے پہلے لوگوں کے لئے ہدایت تھی، اور اسی خدا نے **الفرقان** نازل فرمایا (سن رکھو) جن لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی آیات کا انکار کیا ہے اُن کے لئے عذاب شدید ہے اور اللہ تعالےٰ غالب اور

سزا دینے والا ہے۔

ان آیات میں اوّلاً قرآن مجید کے نازل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ ان صفات سے متصف اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے یعنے یہ اس کا کلام ہے۔ قرآن مجید کا نام کتاب رکھ کر اور اللہ تعالیٰ کے صفات کے بیان کے بعد اس کے نزول کا ذکر بتاتا ہے کہ یہ کتاب ان صفات کی حامل ہے۔ (۱) اللہ کامل علم رکھنے والے کا کلام ہے اس لیئے وہ تمام علوم اور صداقتوں کی جامع ہے۔ (۲) وہ الحیّ (غیر فانی) خدا کا کلام ہے اس لیئے قرآن کریم بھی غیر فانی اور زندہ کلام ہے۔ وہ حیاتِ روحانی ہمیشہ بخشتا رہے گا اور اس کی تاثیرات، اس کے ثمرات غیر منقطع ہیں۔ (۳) قرآن کریم قیّوم خدا کی طرف سے ہے اس لیئے اس کے اتباع کامل سے وہ قوت و اقتدار نصیب ہوتا ہے جو قرآن کریم کے متبعین کے قیام و دوام کا موجب ہوتا ہے (۴) اس کتاب کا یہ کمال ہے کہ وہ ہر صداقت کی تصدیق کرتی ہے۔ سچ کو سچ بتاتی ہے۔ ہر صداقت جو آج موجود ہو یا آیندہ ظاہر ہو قرآن مجید اس کا مصدق ہو گا۔

مجھے یہاں کسی لمبی تفسیر کا موقعہ نہیں ہے ورنہ سخنہائے گفتنی بہت ہیں اور قرآن مجید کے حقائق و معارف کا تو ایک دریائے بیکراں ہے۔ لا تنقضی عجائبہٗ۔

قرآن مجید ان صداقتوں اور صفات کو دوسری جگہ بڑی وضاحت سے

بیان کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے بیان کے لئے الفاظ بہت مختصر ہیں چنانچہ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۴ آیت ۲۴، ۲۵)

ترجمہ:- کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح کلام پاک کی مثال کھول کر بیان کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ ایک پاک درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوطی کے ساتھ قائم ہے اور اس کی ہر شاخ آسمان کی بلندی میں پہنچی ہوئی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے اذن سے اپنا (تازہ) پھل دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے تمام باتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

میں نے جو اوپر قرآن کریم کی صفات میں بیان کیا ہے کہ وہ زندہ خدا کا زندہ اور زندگی بخش کلام ہے۔ اس مذکورہ آیت میں تمثیلی رنگ میں قرآن کریم کی ان زندگی بخش صفات کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

قرآن کریم شجرہ طیبہ ہے اس میں قرآن کریم کو ایک شجرہ طیبہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ایسا شجرہ طیبہ جس کی جڑیں مضبوطی سے قائم ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی

اور بلند ہوں۔ اور ہر وقت، جو تازہ بتازہ پھل دے رہا ہو۔ گویا وہ سدا بہار اور شاداب درخت ہے۔ اور اس میں پانچ قسم کی خوبیاں ہیں :۔

(الف) طیبہ۔ پاک ہو۔ اس کی ظاہری شکل و صورت بھی عمدہ ہو۔ کسی قسم کا نقص اور عیب اس میں نہ ہو۔ اور اپنی باطنی خصوصیات اور تاثیرات کے لحاظ سے بھی پاک ہو۔

(ب) اس کی جڑ مضبوط ہو۔ کسی قسم کی طوفانی ہوا اُس کو جڑ سے نہ ہلا سکے اور وہ ہر قسم کے حملوں سے محفوظ ہو۔

(ج) اس کی شاخیں بہت ہی بلند ہوں، گویا آسمان میں پھیل رہی ہیں۔

(د) وہ ہر وقت پھل دے رہا ہو، یعنے اس کے ثمرات ہر زمانہ اور ہر وقت تازہ بتازہ مل سکتے ہوں۔

(ہ) اور یہ عطائے ثمرات اللہ تعالےٰ کے اذن سے ہو۔

قرآن کریم نے کلام ربانی کا یہ ناقابلِ خطا معیار پیش کیا ہے اور اِس معیار پر قرآن کریم کے سوا کوئی مذہبی کتاب کامل المعیار ثابت نہیں ہوتی ؎

سب جہاں چھان چکے ساری کتابیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

اِن صفاتِ خمسہ کو زیرِ نظر رکھ کر جب قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل طیبؔ۔ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک قرآن کریم کی ظاہری ترتیب، اس کا اسلوبِ بیان دیکھو تو وہ اپنے اندر

خاص جذب اور کشش رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا ترجمہ بھی نہ جانتا ہو اور اس کے مطالب سے آگاہ نہ ہو بلکہ وہ اس کو خدا کا کلام بھی نہ جانتا ہو جب قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھا جاوے تو وہ

سُننے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔

حضرت مولوی عبد الکریم رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید پڑھا کرتے تھے تو ان کے مکان کے نیچے گلی میں راہ چلتے مسافر ہندو ہوں یا سکھ یا کسی اور مذہب کے وہ کھڑے ہو جاتے اور بُت بن کر سُنتے رہتے۔ اور اسکی لذت سے سیراب ہو جاتے۔ پاک چیز جو ہر قسم کے نقص سے مبرّا اور اپنی تاثیرات میں بھی پاک جذبات پیدا کرتی ہو، یہ بھی قرآن مجید کی تعلیم میں پایا جاتا ہے اور اسی لئے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کارناموں میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَیُزَکِّیْھِمْ کہ وہ پاک وصاف کرتا ہے اپنے متبعین کو۔ اور دُنیا کی تاریخ میں یہ ایک ناقابلِ تردید صداقت ہے کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کو زندہ کر دیا۔

دشمنوں تک نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ قوم جو ہر قسم کی بُرائیوں میں مبتلا تھی وہ دُنیا میں اپنی نیکی اور پاکیزہ سیرتی میں نمونہ بن گئی۔ قرآن کریم کی تعلیم کو دیکھو کہ وہ انسان کی طبعی، اخلاقی اور روحانی حالتوں میں پاکبازی کے اعلےٰ مقام پر لے جاتی ہے۔

دوسری خوبی جڑ کی مضبوطی ہے۔ علم نباتات کے ماہر جانتے ہیں کہ درخت کی جڑ ہی دراصل اس کی حیات اور نشوونما کا ذریعہ ہے۔

جس قدر کسی درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اسی قدر وہ طبعی حوادث جھکڑ وغیرہ کے حملوں سے محفوظ رہے گا اور جڑ کے ذریعہ سے وہ اپنے نشو و نما کے لئے اُن مادوں اور کھادوں کو جذب کرتا رہے گا جو زمین میں اجزائے حیات کی صورت میں موجود ہیں۔ اور جڑ کی مضبوطی پانی کے اُن اجزاء کو بھی جذب کرتی رہے گی جو مایۂ حیات ہیں اور جس کے لئے قرآن شریف ہی اسکی یہ صداقت پیش کی کہ ہم نے ہر چیز کے لئے پانی کو مایۂ حیات بنایا ہے۔ اسی طرح پر قرآن کریم اپنے اصولِ تعلیم میں نہایت مضبوط جڑ رکھتا ہے۔ کوئی حملہ اس کو اپنے مقام سے ہلا نہیں سکتا۔ جب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے نادان معترضین مختلف رنگوں میں اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں مگر وہ ہر اعتراض کا جواب دیتا ہے اور اپنی صداقت کا اقرار کرائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اس زمانہ میں جبکہ سائنس اور علوم کے جدید اکتشافات ہو رہے ہیں عصری علوم کے زیرِ نظر اعتراض کرنے والوں کی ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر قرآن کریم نے ثابت شدہ صداقتوں کی تصدیق کی اور غلط اور بے بنیاد اعتراضات یا تھیوریوں کی کمزوری اور غلطی کو آشکار اکر دیا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور آپ کے جانشین اور مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خدا داد علم کی بنا پر

قرآن مجید کے مقابلہ میں ہر مخالف و معترض کو دعوت مبارزت دی مگر کسی کو اس مقابلہ میں نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔

تیسری خوبی۔ تیسری خوبی جڑ کی مضبوطی کی یہ ہے کہ وہ نہ صرف حوادث

کا مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت عصری تبدیلیوں کے ماتحت بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآن مجید کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے:-

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

باطل قرآن مجید میں کسی جہت سے بھی حملہ آور ہو کر کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ وہی شکست کھائے گا۔

چوتھی خوبی۔ جڑ کی مضبوطی کی چوتھی خوبی یہ ہے کہ وہ لمبی عمر پانے والا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی عمر تو اتنی لمبی ہے کہ اس پر کبھی فنا ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کہ وہ الحیّ القیّوم خدا کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا آپ ذمہ لیا ہے۔

فرعہا فی السماء

شجرہ طیبہ کی شاخوں کا بلند ہونا نہایت ضروری ہے جس قدر شاخیں بلند ہوں گی وہ کھلی ہواؤں سے آکسیجن حاصل کر کے اپنی پرورش اور نشوونما میں مدد لے گا۔ اور ان شاخوں کے پنپنے میں بھی سہولت ہوگی۔ جڑ کی مضبوطی اور قوت اس کی شاخوں کے نشوونما میں سازگار ہوتی ہے اور کلام الٰہی کی جڑوں کو مضبوط کرنے والی عملی جماعت ہوتی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ جس قدر کلام الٰہی کی اشاعت عملی رنگ اختیار کرے گی جماعت کا دائرہ وسیع ہوگا آسمان میں شاخوں کے پھیلنے سے کلام الٰہی کے ذریعہ روحانی ترقیات اور قرب الٰہی کے حصول کی راہوں میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور

آسمان میں جو چیز ہو وہ رفیع الشان ہوتی ہے اس لیے قرآن کریم کے مدارجِ عالیہ کو بتانا مقصود ہے۔ اور بلند مقام بھی ہر قسم کی آفات سے محفوظ ہوتا ہے اِس میں بھی قرآن کریم کی حفاظت کا اشارہ ہے۔

علاوہ بریں شاخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کثرت سے ہیں، قرآن کریم بھی اپنی تعلیم میں تمام انسانی ضروریات کے لیے ہدایات کا جامع ہے انسان کی طبعی، اخلاقی، روحانی ضرورتیں اس کی زندگی کے مختلف مراحل کی ضروریات تمام وکمال ہدایات کو اپنے اندر رکھتی ہیں۔ قرآن مجید کے اوامر نواہی کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جذبات کے باریک سے باریک شعبوں کے صحیح استعمال اور مضرات سے بچنے کی ہدایات موجود ہیں، نہ صرف فرد کے لئے بلکہ قوم اور ملت کی جو ضروریات پیدا ہوتی ہیں ان سب کے متعلق ہدایات اور اصولی تعلیم موجود ہے۔ بادشاہ کے لئے، رعایا کے لئے۔ مزدور کے لئے، سرمایہ دار کے لئے۔ عدالت و امن کے انتظامات، قانون اور تعزیرات۔ غرض کوئی شعبہ انسانی فردی یا جماعتی زندگی کا ایسا نہیں کہ اسکے متعلق ضابطہ اور دستور العمل موجود نہ ہو۔ جیسے شاخ کی کثرت سے انسانی ضروریات کے لئے مختلف کامل ہدایات کی طرف اشارہ کرنا مدّنظر ہے ویسے ہی شاخ کے آسمان میں ہونے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اِس کلامِ الٰہی کی قوتِ عمل انسان کو اُوپر کی طرف لے جاتی ہے سفلی جذبات پر موت طاری کر کے اُن میں قربِ الٰہی کے لئے حیاتِ نو پیدا کرتی ہے اور یہ بھی کہ آسمان بلندی کی طرف اشارہ کرتا ہے کامل کلام الٰہی میں یعنے قرآن مجید

میں یہ خوبی ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم پر مشتمل ہے۔

چوتھی علامت

شجرۂ طیبہ کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت تازہ بتازہ پھل دیتا ہو۔ وہ سدا بہار ہو۔ اِس پہلو سے قرآن کریم میں یہ کمال ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہتا ہے جو خدا تعالیٰ کی تائیدات کے مظہر ہوتے ہیں اور اُنکا وجود آیۃ اللہ اور حجۃ اللہ ہوتا ہے۔ اُن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ہستی، خدا تعالیٰ کے صفات اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور آپؐ کے معجزات و آیات اور قرآن مجید کی صداقت و عظمت کا ثبوت اِس طرح پر ملتا ہے۔ کہ قرآن کریم نے عملی زندگی کے جو ثمرات بیان کئے ہیں وہ اُن کے وجود میں نمایاں ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن سے کلام کرتا ہے۔ (۱) قبل از وقت بعض آنے والے واقعاتِ عظیم الشان کی اُنہیں اطلاع دیتا ہے۔ (۲) اُن کی کامیابی اور اُن کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والوں کی ناکامی کا ایسے وقت میں علم بخشتا ہے جبکہ دُنیا کا کوئی مدبّر اور فریبی اِس قسم کی پیشگوئی نہیں کرسکتا۔ (۳) ان میں خارق عادت استقلال اور عزم عنایت کرتا ہے۔ (۴) اُن کی دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ (۵) اُن کو ایک قوتِ قیادت عطا فرماتا ہے یعنے وہ ایک جماعت قائم کرتے ہیں جو اُن کے جذب و کشش کا ثبوت ہوتی ہے۔ اور پھر وہ اپنی قوت قدسی کے ذریعہ اِس جماعت کی عملی زندگی میں انقلابی تاثیر پیدا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جماعت کے افراد کے دلوں میں غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ کی احتیاج مٹا دیتے

ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی راہ میں ہر قسم کی **قربانی کی قوت** پیدا کر دیتے ہیں۔ گناہ سے نفرت اور نیکی اور طہارت سے محبت اُن میں پیدا کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ **غربا کی جماعت** سے آغاز کرتے ہیں اور پھر اسی جماعت کو حکومتوں اور سلطنتوں کا وارث بنا دیتے ہیں۔

غرض یہ لوگ **ثمرات** ہوتے ہیں جو ہر زمانہ میں قرآن کریم کی عملی زندگی کے ثمرات میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور لازمی طور پر ایسا وجود

ہر صدی کے سر پر آتا ہے۔

پانچویں علامت

پانچویں علامت یہ کہ اِس شجرۂ طیّبہ کے ثمرات طبعی قانون کے نیچے نہیں ہوتے بلکہ **اذنِ ربّانی** پر موقوف ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلام الٰہی کے یہ ثمرات جن کا مختصر تذکرہ اُوپر کیا گیا ہے یہ بھی **اذنِ ربّی** کی شان لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے **تفسیر کبیر** میں اِس پر مفصل بحث فرمائی ہے، ایمان و عرفان کی ترقی کے لئے اسے ضرور پڑھنا چاہیئے۔

قرآن کریم کا امتیازِ خصوصی

اِس جگہ کتاب کے ساتھ قرآن مجید کے ایک دوسرے نام **قرآن** کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے اور اس کی صفت **مُبین** بیان فرمائی ہے۔ اگرچہ قرآن نام کی بحث جُداگانہ ہو گی تاہم اِس مقام کے مناسبِ حال اِس امر کی صراحت ضروری ہے کہ یہاں اللہ تعالےٰ نے **کتاب** اور **قرآن مبین** کو جمع کر دیا ہے۔ اِس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دو جُداگانہ اشیاء

ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ الکتٰب کیا ہے؟ قرآن مبین ہے۔ خدا تعالےٰ کا یہ کلام جو دائماً محفوظ اور مکتوب رہے گا۔ یہ ہر زمانہ میں بلکہ ہر آن ہر حصۂ دُنیا پر پڑھا بھی جاوے گا۔ گویا قرآن کریم کی حفاظت بذریعہ تحریر بھی ہوگی اور بذریعہ حفظ و تقریر بھی ہوگی۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت قرآن کریم کی ہے کہ

دُنیا کی کسی مذہبی کتاب کیا کسی بھی کتاب کو حاصل نہیں

اور یہ قرآن کریم کا ایک غیر فانی اور ابدی اعجاز ہے۔

ایک اجتماعی نظر

اِس موقعہ پر مَیں یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں بعض دوسرے مقامات پر بھی کتاب اور قرآن کے الفاظ کو جمع کیا گیا ہے۔ اور کہیں قرآن مبین کہا ہے اور کہیں کتاب مبین۔ اِس لحاظ سے کہ یکجائی طور پر اِس حقیقت کو واضح کیا جاوے مَیں اِن مقامات کو یہاں جمع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن اور کتاب

قرآن اور کتاب کو اکٹھا قرآن کریم نے دو مقامات پر بیان کیا ہے۔ ایک تو یہی مقام سورۃ حجر کا ہے دوسرا مقام سورۃ نمل کے شروع میں ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ

ترجمہ۔ طٰس یعنے طورِ سینا پر نازل ہونے والے کلامِ الٰہی پر غور کرو۔ بالفاظِ دیگر موسیٰ علیہ السلام کو جو کلام دیا گیا تھا اُس پر غور کرو تو یہ صداقت کھُل جاوے گی کہ

یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب کی آیات ہیں جو

اپنے روشن دلائل ساتھ رکھتی ہے۔

سورۃ نمل میں کتاب مبین اور حجر میں قرآن مبین فرمایا ہے

بظاہر اس میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ القرآن اور الکتاب ایک ہی چیز

کے دو نام اپنے خواص کے لحاظ سے ہیں جیسا کہ میں ابھی اوپر بیان کر آیا

ہوں کہ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اس

لحاظ سے بھی ہوگی کہ لوگ اسے یاد کرتے رہیں اور بذریعہ حفظ اسے پڑھتے

رہیں گے اور بذریعہ کتاب یعنے تحریر و طباعت کے ذریعہ بھی اور ہر رنگ

میں اس کے دلائل و بینات کا اعجاز نمایاں رہے گا۔

ایک عجیب نکتۂ معرفت

اس موقعہ پہ میں اس نکتہ معرفت کو بیان کرنے سے نہیں رک سکتا جو حضرت اولو العزم امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خدا تعالےٰ کے خاص دیئے ہوئے علم سے بیان کیا ہے۔ اور جہاں تک میرا علم ہے اس حقیقت کے اظہار میں

آپ منفرد ہیں۔

اور وہ نکتہ معرفت یہ ہے کہ قرآن اور کتاب کے الفاظ کو دو جگہ جمع کیا ہے۔ ایک میں قرآن کو اول رکھا ہے، دوسرے میں کتاب کو اور دونوں کے ساتھ صفتِ مُبین بیان کی ہے۔ اس کا سر یہ ہے کہ سورۃ حجر اور سورۃ نمل کے مضامین میں ایک علمی امتیاز ہے۔ سورۃ حجر میں جن انبیاءؑ

کا ذکر ہے اُن میں کتابت کا رواج کم تھا اور علوم کو زبانی یاد رکھا جاتا تھا جیسے
حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام۔
اور سورۃ نمل میں اُن انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن میں لکھنے کا رواج زیادہ
تھا جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام۔

اس طرح پر کتاب کی صفت مبین بیان کر کے یہ پیشگوئی کی ہے کہ قرآن کریم
کے ذریعہ وہ قومیں بھی ہدایت پائیں گی جو تحریر سے زیادہ فائدہ اُٹھاتی ہیں۔
اور قرآن کی صفت مبین بیان کر کے یہ پیشگوئی فرمائی کہ وہ قومیں جو حافظہ سے
زیادہ کام لیتی ہیں اور اُن میں تحریر و کتابت کم ہے وہ بھی اس سے فائدہ
اٹھائیں گی اور قرآن کریم اُن کے لئے بھی ہدایت و رُشد کا ذریعہ ہوگا۔

پھر ایک بات اور بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مبین کا لفظ
صرف دو مرتبہ اور کتاب مبین کا بارہ مرتبہ آیا ہے۔ اس میں اس امر کی
طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کا کتاب ہونے کے لحاظ سے حلقہ وسیع ہوگا
اور اکثر لوگ اس کے کتاب ہونے سے فائدہ اٹھائیں گے۔ (تفصیل کے لئے
دیکھو تفسیر کبیر تفسیر سورۃ حجر)

جیسا کہ میں نے سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات کو پیش کر کے یہ بتایا
ہے کہ یہاں الکتٰب یعنے قرآن کریم کے صفات کا ذکر خدا تعالیٰ کی صفات
کے بیان میں فرمایا اور آخر میں یہ بتایا کہ آیات اللہ کے منکرین کے لئے
عذاب شدید ہے اور عزیز اور ذو انتقام خدا کی آیات کے منکرین
اسی کے مستحق ہیں اس لئے کہ ان صفات کا یہی اقتضا ہے کہ قرآن مجید

کے صحیح متبع غالب اور معزز رہیں گے۔ اور جب بھی مومنین متبعین کا مقابلہ منکرین و مکذبین سے ہوگا تو غلبہ مومنین کو ہی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اُن میں اور اُن کے غیروں میں امتیاز کر دیگا۔

(۲) پھر وہی سورہ آل عمران کے اِسی رکوع کی چھٹی آیت میں الکتٰب کے نزول کا ذکر فرمایا اور آیت ۵ میں اللہ تعالیٰ کی صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر فرمایا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم اپنے اندر غلبہ اور حکمت کے سامان رکھتا ہے۔ وہ حکمت و دانش کا خزانہ ہے اور عزت و غلبہ اُس کے حقیقی متبعین کے لئے مقدر ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر قسم کے علوم کا سرچشمہ اور عزت و غلبہ کے تمام پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے۔ اِس آیت میں الکتٰب کی آیات کی بھی ایک تقسیم ان کے مضمون کے لحاظ سے بیان فرمائی ہے۔ اور وہ محکمات اور متشابہات ہیں۔ یہ چونکہ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے اس لئے یہاں اسکے متعلق کچھ نہیں لکھوں گا۔

(۳) قرآن کریم سورہ انعام رکوع ۱۱ آیت ۹۲ میں الکتٰب کے متعلق ارشادِ الٰہی یوں ہوتا ہے:۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ط
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○

ترجمہ:- اور یہ کتاب جسے ہم نے اُتارا ہے مُبارک ہے اور مصدّق ہے اُن تمام صداقتوں کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں (اور اُن علوم کی بھی مصدق ہے جو آئندہ ظاہر ہوں اور اسکے نزول کی یہ غرض ہے) کہ تو اُمّ القریٰ اور اُس کے ارد گرد رہنے والوں کو ڈراوے اور جو لوگ یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہی اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت میں قرآن مجید کو الکتٰب کے نام سے پیش کر کے اسکے صفات میں بتایا ہے کہ وہ مُبارک ہے۔ اُس کی تعلیمات پر عمل کرنیوالے برکاتِ الٰہیہ سے حصّہ لیں گے۔ اور قرآن کریم کی صداقت کا یہ ثبوت ہے کہ وہ ہر صداقت کی تصدیق کرتا ہے جو صداقت قرآن کریم کے نزول سے پیشتر آئی ہو یا بعد میں علوم صحیحہ کے ذریعہ ظاہر ہو۔ سابقہ صداقتوں سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعہ دُنیا میں آئی ہیں اور وہ تمام علوم حقہ بھی ہیں جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے۔ جب بھی سائنس اپنے انکشافاتِ جدید ثابت کرے گی قرآن کریم کی تعلیم ان علوم حقہ کی مصدق ہوگی۔ اور یہ اب ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی ایسا نئی انکشاف نہیں ہوتا جو قرآن مجید سے ثابت نہ ہو۔ اور مصدّق کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ کتبِ سابقہ میں جو بشارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے متعلق بیان ہوئی تھیں قرآن مجید کے نزول اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی بعثت نے
اُن کے سچا ہونے کی تصدیق کر دی۔

(۴) پھر اسی سورۃ انعام کے رکوع ۲۰ آیت ۱۵۶ میں فرمایا:۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ
اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥

ترجمہ:۔ اور یہی وہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وہ مبارک ہے اس کی اتباع کرو اور (اس کے انکار سے بچو یعنے) تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔

یہاں برکاتِ الٰہیہ کے حصول کا ذریعہ اور اس کے ثمرات کو بتایا ہے۔ حصول کا ذریعہ اتباعِ قرآنی ہے اور اس کے انکار سے بچنا ہے اور اس کی تعلیمات کو اپنا سپر بنالینا ہے۔ اور نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ ایسا مومن بالقرآن اور عامل بالقرآن خدا تعالےٰ کی رحمت کا مورد ہوگا

(۵) سورۃ الاعراف رکوع اول میں فرمایا:۔

الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ
صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥

ترجمہ:۔ میں اللہ بہت جاننے والا اور تصدیق کرنے والا دیا بہترین فیصلہ کرنے والا ہوں۔ (یہ) کتاب تیری طرف نازل کی گئی ہے (مقصد یہ ہے کہ) تیرے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو (یہ بھی مقصد

ہے کہ اس کے ذریعہ انکار کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور مومنوں کے لئے تو یہ ذکر ہے۔

مقطعات قرآنی پر مختصر بحث

مقطعات قرآنی کی فلاسفی پر میں نے ایک مختصر مستقل رسالہ پہلے شائع کردیا ہے۔ میرے اس رسالہ کی اشاعت کے بعد حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مقطعات قرآنی کے متعلق قابل قدر رسالہ لکھا ہے اور حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی اپنی تفسیر میں مقطعات کے متعلق ایک لطیف علمی بحث فرمائی ہے

میں یہاں صرف اس قدر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مقطعات قرآنی کے معنے معلوم نہیں ہیں اور نہ ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ نہایت غلط خیال ہے۔ اور قرآن مجید کی ہتک ہے کہ نعوذ باللہ وہ ایسے کلام پر مشتمل ہے جس کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مقطعات کے معانی صحابہؓ میں سے بھی بعض نے کئے ہیں۔ قرآن کریم کی ۲۹ سورتوں کے ابتداء میں یہ کلمات آئے ہیں۔ یہ حروف الفاظ اور جملوں کے قائم مقام ہیں۔ اور اس حیثیت سے یہ اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتے ہیں اس زمانہ کے متعلق جبکہ حروف الفاظ اور جملوں کے قائم مقام ہوں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس کا عام استعمال ہے۔ علمی ڈگریاں صرف حروف سے ظاہر کی جاتی ہیں جیسے بی۔ اے، ایم۔ اے۔ اور عام طور پر لوگ بھی اپنے نام حروف سے ظاہر کرنے لگے ہیں۔ فرموں، کمیٹیوں وغیرہ کے نام وغیرہ۔

مقطّعاتِ قرآنی میں بہت سے اسرار ہیں اور ضروریاتِ عصری کے ماتحت ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ ایک عام بات ہے کہ مقطّعات جن سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں ان کے مضامین کے سمجھنے کے لئے بطور کلید ہیں اور اِن الفاظ میں ایک علمی ترتیب ہے۔

قرآن کریم اوّل سے آخر تک ایک نظامِ ترتیب رکھتا ہے؛ اور یہ ترتیب مختلف رنگوں میں ہے۔ جن سورتوں میں ایک ہی قسم کے حروفِ مقطّعات آتے ہیں وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے ایک ہی سلک ہوتی ہیں۔ اور جہاں حروفِ مقطّعات میں تبدیلی ہوتی ہے وہاں ایک اور سلسلہ مضمونِ جدید شروع ہوتا ہے لیکن یہ نہیں کہ وہ اپنی ترتیب کی دوسری صورتوں کے لحاظ سے پہلے مضمون سے وابستہ نہ ہو۔

مقطّعات سے شروع ہونے والی سورتوں کے بعد بعض سورتیں ایسی بھی آجاتی ہیں کہ اُن کے ابتدا میں مقطّعات نہیں ہوتے۔ ایسی سورتیں انہیں مقطّعات والی سورتوں کے ذیل میں آجاتی ہیں۔ جہاں ایک ہی قسم کے مقطّعات میں کسی حرف کا اضافہ ہوتا ہے تو وہاں بھی ایک خاص مقصد زیرِ نظر ہوتا ہے۔ اور اِس مقصد کا اظہار خود سورت کے مضامین پر غور کرنے سے ہو جاتا ہے۔

اِس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اِس قدر کافی ہے۔ مَیں قارئینِ کرام کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اِس خصوص میں تفسیر کبیر حضرت امیر المومنین کو پڑھیں اور مقطّعاتِ قرآنی کی فلاسفی اور حضرت میر صاحب کی کتاب بھی پڑھیں کہ

اس سے علم و معرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

مقاصدِ قرآنی

اس مقام پر قرآن کریم (جس کو الکتٰب کے نام سے موسوم فرمایا ہے) کے یہ مقاصد بیان کئے گئے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوتا ہے اور اس کی تعلیمات و ہدایات کسی قسم کی تنگی پیدا نہیں کرتی ہیں۔ بعض اُمور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعہ انسانی قلب میں انشراح اور نشاط نہیں پیدا ہوتا۔ اگر کوئی خلافِ مرضی یا خلافِ فطرت کام کرنے کے لئے کسی کو حکم دیا جاوے تو اسکے دل میں تنگی پیدا ہوگی مگر قرآن کریم کی تعلیم اور ہدایت ایسی ہے کہ فطرتِ انسانی اسے قبول کرتی ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کے لئے قلبِ انسانی میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم (جو نسلِ انسانی کے لئے بطور ایک اُسوۂ حسنہ ہیں) کو فرمایا اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝

(سورۃ الم نشرح پارہ ۳۰) کہ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا؟

یہاں حَرَجٌ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور شروع قرآن کریم میں رَیۡبَ کا لفظ فرمایا ہے۔ رَیۡبَ کے مفہوم میں بھی حَرَجٌ کا مفہوم لُغت کے لحاظ سے داخل ہے۔

دوسرے قرآن کریم ان تمام امور سے آگاہ اور خبردار کرتا ہے جن کو اختیار کرنے سے انسان ہر قسم کا نقصان اور تکلیف اُٹھاتا ہے۔ پس قرآن کریم کے پڑھنے اور سمجھنے سے یہ حقیقت کُھل جاتی ہے کہ کونسی تعلیمات و اعمال انسان کے لئے مُضر اور نقصان رساں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم کا انکار

کیا جاوے۔

تیسرا کام قرآن کریم کا یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے لئے ذِکرٰی ہے۔ ذِکرٰی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اُن فطری جذبات کو یاد دلاتا ہے جو انسان کو عطا کئے گئے ہیں اور انسان اپنی غفلت کیوجہ سے اُن فطری قوانین کو بُھول گیا ہے جس سے وہ غیر فطری اُمور کی طرف جُھکنے لگتا ہے۔ اسلام دین الفطرت ہے اور فطرت کے مٹے ہوئے جذبات اور بھُولے ہوئے قوانین کو قرآن مجید زندہ کرتا اور یاد دلاتا ہے۔ نیز ذکر کے معنے شرف کے بھی ہیں۔ اور اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم انسانی شرف کو قائم کرتا ہے۔ مگر یہ عزت و شرف اُن کو ملتا ہے جو مومن ہوں۔ اور ذکر میں یہ بھی بتایا ہے کہ اِس پر عمل کرنے والوں کو

تاریخی قوم بنا دیا جاوے گا۔

چونکہ قرآن مجید کا نام ذکر اور تذکرہ بھی ہے اس لئے تفصیلی بحث اس نام کے ذیل میں ہوگی۔

(۴) پھر اِسی سورۃ الاعراف کے رکوع ۶ آیت ۵۲ میں فرمایا:۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥

ترجمہ:۔ اور یقیناً ہم نے ان کو کتاب دی جس کی ہم نے علمی رنگ میں صراحت کی ہے جو قوم اِس پر ایمان لاتی ہے وہ اس کے لئے رحمۃ اور ہدایت ہے۔

یہاں الکتٰب کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس کی تعلیم و ہدایات اپنے اندر ایک تفصیل اور صراحت رکھتی ہیں ۔ اور وہ علمی رنگ لیے ہوئے ہیں یعنی علوم صحیحہ اس کے مؤید اور مصدق ہیں ۔ کوئی صحیح علمی مسئلہ ایسا نہیں جو قرآن کریم کی ہدایات کے مخالف ہو ۔ بلکہ علمی دلائل اس کے ساتھ ہیں ۔ یہ اس کے منجانب اللہ ہونے کا ایک لازمی ثبوت ہے کہ وہ اپنے ساتھ علمی دلائل رکھتا ہے ۔

علمی دلائل سے صرف انسان کی معقولی اور ذہنی قوتیں تسلی پاتی ہیں لیکن قرآن کریم یہی نہیں کہ وہ معقولی دلائل کی ایک کتاب ہے بلکہ اس کتاب کے ماننے والی قوم خود اپنے اندر ہدایت و رحمت کے نشانات کو دیکھ لیتی ہے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے اور اسلام کے شدید دشمنوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ

قرآن مجید نے عربوں میں حیرت انگیز پاک انقلاب کر دیا اور دنیا کی انقلابی تاریخ میں ایسی ایک بھی مثال نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ذریعے پیدا کیے ہوئے انقلاب کا مقابلہ کر سکے ۔

(۵) پھر سورۃ یونس رکوع اول میں فرمایا :۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○

ترجمہ :۔ میں اللہ دیکھتا ہوں ۔ یہ آیات کامل محفوظ اور پُر حکمت کتاب کی ہیں ۔

ایک نکتہ معرفت میں پہلے بتا آیا ہوں کہ جہاں حروفِ مقطعات میں

میں تبدیلی ہوتی ہے وہاں مضمون کے سلسلہ میں بھی تجدید ہوتی ہے اور اس سے نظامِ ترتیب میں ایک یا دوسرے پہلو سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔

یہاں الٓرٰ سے سورۃ یونس کو شروع کیا گیا ہے۔ اور اس تبدیلی سے بتا دیا ہے کہ مضمون میں دوسرا رنگ پیدا کر دیا گیا ہے۔ مقطّعات کے اس دوسرے گروپ میں جو اس سورۃ سے شروع ہو کر سورۃ کہف تک چلا گیا ہے واقعات اور مشاہدات کی بحث ہے۔ اس لئے اس علمی نظام کو جو الٓمٓ سے شروع ہونے والی سورتوں میں تھا دوسرا رنگ دیدیا گیا ہے اس لئے خدا تعالےٰ کی صفتِ رویت کو مقطعات میں داخل کر کے الٓرٰ سے شروع کیا۔

کتاب الحکیم یہاں الکتٰب کی صفت حکیم بیان کی ہے حکیم کے معنے لغت میں حکمت والا، تمام کاموں کو اچھی طرح کرنے والا جس کے کاموں کو کوئی بگاڑ نہ سکے۔ ہر وہ چیز جو جہالت سے روک دے۔ عدل، علم، حلم، نبوت۔ ہر وہ کام جو صداقت ہو۔ ہر امر کو اسکے مناسب موقعہ پر رکھنا۔

حکیم کے ان معانی کے لحاظ سے قرآن کریم (الکتٰب) کے صفات کو جمع کر دیا ہے۔ اور قرآن کریم نے ایک لفظ حکیم کہہ کر علوم اور حقائق کا ایک بحرِ مواج پیدا کر دیا ہے۔

(۱) قرآن کریم کی تعلیم موقع و محل کے لحاظ سے ہے اس لئے کہ وہ کتب الحکیم ہے۔ چونکہ وہ عمل کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے مافوق الطاقت احکام اس میں نہیں ہیں بلکہ جو حکم بھی ہے وہ انسانی فطرت اور اس کی عملی قوت کے موافق

ہے۔ اور انسانی قویٰ اور جذبات کے تمام شعبوں کے متعلق اس میں ہدایات ہیں۔

(۲) قرآن کریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بجائے خود ایک صداقت اور حقیقت ہے۔

(۳) قرآن کریم کی تعلیم عدل پر مبنی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اور عدل کی تعلیم میں یہاں تک کمال ہے کہ وہ اپنے دشمنوں میں بھی عدل کرنے کا حکم دیتا ہے اور صاف ہدایت کرتا ہے کہ کسی قوم سے تمہاری دشمنی بھی ہو تو وہ دشمنی تم کو عدل سے نہ روکے قرآن مجید میں اس تعلیم کے مختلف شعبوں پر بحث ہے۔

(۴) وہ جہالت سے روکتی ہے اور علم کی طرف توجہ دلاتی ہے قرآن مجید کی وحی کا آغاز ہی پڑھو سے ہوا۔ اور قرآن کریم کا ظہور ہی علم کے لئے ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمانیت کا پرتو ہے کہ قرآن سکھایا۔

پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل کو دیکھو جو قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے تو علم کے لئے کس قدر تاکید ہے۔ علم کے حصول کے لئے فرمایا کہ تم گہوارہ سے گور تک علم حاصل کرو۔ اس کے لئے کسی خاص جگہ کو معین نہیں فرمایا کہ حصولِ علم کے لئے خواہ تم کو چین میں بھی جانا پڑے وہاں جاؤ۔ پھر بتایا کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے ملے اسے لے لے۔

غرض لفظ حکیم جن مضمون پر مشتمل ہے وہ تمام حقیقتیں قرآن کریم کی تعلیم میں موجود ہیں۔

(۶) سورہ ہُود کے شروع میں اسی مضمون کو دوسرے رنگ میں بیان فرمایا:۔

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ

ترجمہ:۔ مَیں اللہ جو دیکھتا ہوں (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو مُحکم کیا گیا ہے اور نیز اُنہیں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ (اور یہ کتاب) ایک حکیم اور خبیر ہستی کی طرف سے ہے۔

یہاں الکتٰب کے متعلق فرمایا کہ اس کی آیات محکم ہیں۔ اور وہ مغلق اور معمّا نہیں ہیں، انہیں کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ اور اس کتاب کا نزول اس خدا کی طرف سے ہے جو خود حکیم ہے اور خبیر ہے۔

سورۃ یونس میں کتاب کی صفت حکیم بیان کی تھی۔ یہاں اسے دوسرے رنگ میں بتا دیا کہ اس کی آیات اپنے اندر حکمت و موعظت رکھتی ہیں اور وہ ایسی تعلیمات پر مشتمل ہیں جو ہر رنگ اور ہر صورت سے صحیح، درست اور ناقابلِ شکست ہیں۔ عقل ان کی مؤید ہے۔ مشاہدۂ قدرت اُس کی تائید کرتا ہے۔ دشمن اور معترض اس کو توڑ نہیں سکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جو تعلیم پیش کی ہے اُسے علمی اور طبعی دلائل کے ساتھ مؤکد کر دیا ہے اور اسی لئے یہ دعویٰ برنگِ تحدّی کیا گیا ہے۔ باطل آگے پیچھے سے کسی طرح پر بھی اس پر حملہ

نہیں کر سکتا۔ اور قرآن مجید انسان کی مخفی قوتوں اور جذبات کے تقاضوں اور ان کے نتائج سے باخبر کرتا ہے۔ اس کلام میں کسی قسم کا نقص نہیں ہر تعلیم اپنی جگہ مکمل اور برمحل ہے۔ اور یہ بھی کہ کوئی امر تشنۂ تشریح نہیں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

نکتۂ معرفت متشابہ کی حقیقت

حضرت امیر المومنین نے اپنی تفسیر کبیر میں اس موقعہ پر ایک نہایت ہی لطیف نکتۂ معرفت بیان فرمایا ہے جس نے قرآن کریم کے ایک ایسے مسئلہ کی صراحت کر دی ہے جس پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں اور وہ محکمات و متشابہات کی بحث ہے۔ میں اللہ نے چاہا تو محکمات و متشابہات کے باب میں اس پر تفصیل سے بحث کرونگا مگر اس موقعہ پر اس نکتۂ معرفت کو بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے:-

"فُصِّلَتْ سے دو حقیقت متشابہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ (آل عمران رکوع اول) اس سورۃ آل عمران کی آیت میں محکم کے مقابلہ میں متشابہ رکھا ہے لیکن آیت زیر تفسیر میں متشابہات کی جگہ فُصِّلَتْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ لفظ متشابہ

کے معنوں کو واضح کرتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ درحقیقت تفصیلی تعلیم ہی کا نام ہے۔ اور یہی تعلیم ہے جس پر اعتراض کی دشمن کو جرأت ہوتی ہے۔ ورنہ محکم یعنے اصولی تعلیم پر کوئی شخص حرف گیری نہیں کر سکتا۔" (تفسیر کبیر ۱۴)

اِس نکتۂ معرفت نے متشابہات پر اعتراض کرنے والوں کا مُنہ بند کر دیا ہے اور محکمات اور متشابہات کی حقیقت کو بھی کھول دیا ہے۔ متشابہات تفصیلی تعلیم کا نام ہے جس میں ہر ایک قسم کی جزئیات پر بحث آجاتی ہے۔ اور ان تفاصیل میں بعض اجزاء پر دشمن اعتراض کرتا ہے گو وہ اعتراض قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہی ہوتا ہے۔

(۷) سورۃ یوسف کے آغاز میں بھی الکتٰب کی ایک صفت المُبین بیان فرمائی ہے:۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ

ترجمہ:۔ مَیں اللہ ہوں جو دیکھتا ہوں یہ الکِتٰبِ المُبِین کی آیات ہیں۔

کتاب کی صفت یہاں مُبین بیان فرمائی ہے۔ یہ لفظ بجائے خود سورۃ یونس اور سورۃ ہود کی بیان کردہ صفات کا دوسرے رنگ میں اظہار ہے۔ یعنے یہ کتاب اپنے ساتھ دلائل و براہین رکھتی ہے اپنے دعاوی کے لئے دوسروں کے دلائل کی محتاج نہیں ہے۔ اور ایسی تعلیم کی جامع ہے جو واضح اور روشن ہے۔ روشنی کا کام ہے کہ اس سے

ایک امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا قرآن کریم حق و باطل میں امتیاز اور نیکی اور بدی میں فرق بتاتا ہے اور اس طرح پر اعتقادات، اخلاق فاضلہ، روحانیات اور معاشیات، سیاسیات، اقتصادیات غرض انسانی زندگی کے ہر مرحلہ کے لئے روشن اور واضح ہدایات کی جامع ہے۔

(۸) سورۃ رعد کے شروع میں فرمایا:۔

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَرٰی (میں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں اور دیکھتا ہوں) یہ الکتٰب کی آیات ہیں اور (جو کلام) تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے وہ الحق ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

میں اُوپر مقطعات کی بحث میں لکھ آیا ہوں کہ جہاں مقطعات میں تبدیلی ہوتی ہے وہاں مضمون میں بھی ایک تبدیلی ہوتی ہے پہلی تین سورتیں الٓرٰ سے شروع ہوتی ہیں یہاں م کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تین سورتوں میں رویت کا اظہار تھا یہاں علم کا اظہار بھی مقصود ہے۔

رویت صرف مشاہدہ تک محدود ہے لیکن علم تمام اُن شعبوں پر مشتمل ہے جو حصولِ علم کے لئے ضروری ہیں۔ یہ صرف ہماری تعلیم اور تفہیم

کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے جب یہ الفاظ رویت اور علم کے
بولے جاتے ہیں تو اُن کے لئے اِن حواس، اسباب اور ذرائع کی ضرورت
نہیں ہوتی جو رویت اور علم کے لئے انسان کے لئے لازمی ہیں کیونکہ
اللہ تعالیٰ تو لیس کمثلہ شیء ہے۔

یہاں قرآن کریم کو الکتٰب کے نام سے موسوم کرکے یہ بھی
بتایا ہے کہ وہ الحق ہے۔ یعنے وہ صحیح علوم پر مشتمل ہے۔ اس میں جو کچھ
بیان کیا گیا ہے وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور صداقت ہے اور
یہ ہو کر رہے گی۔ اور اس میں یہ بھی پیشگوئی کی ہے کہ باوجود ایک صداقت
اور حقیقت کے پھر لوگوں کا ایک حصہ اس کا انکار کرتا رہے گا۔

(۹) سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ کے شروع میں اس الکتٰب کے
صفات کو اور واضح فرمایا:۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ

یعنے یہ کتاب جس کو ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے اس کا مقصد
اور کام یہ ہے کہ لوگوں کو ہر قسم کی ظلمت (تاریکی) سے نکال کر نور کیطرف
لاتی ہے۔ (یہ کسی انسانی تجویز عقل و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ) ان کے رب کے
اذن سے (روشنی میں لاکر) ایسے راستہ کی رہنمائی کرتی ہے جس پر
چل کر انسان معزز ہو جاتا ہے اور اس سے ایسے افعال کا صدور ہوتا

ہے کہ اس کی تعریف کیجاتی ہے اس لئے کہ یہ راستہ العزیز الحمید خدا کا راستہ ہے۔ الفاظ نہایت مختصر ہیں مگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے جامع ہیں۔ ظلمت کے لفظ میں بتایا کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تاریکیوں سے نجات بخشتا ہے۔ وہ تاریکی جہالت کی ہو، رسم ورواج کی ہو، عادات بد اور رذائل کی ہو، ان تاریکیوں کو دُور کر کے ایک نُور انسان کو دیا جاتا ہے جس سے وہ حق وباطل میں امتیاز کرتا ہے، غفلتوں اور سُستیوں کو چھوڑ کر ایک قوتِ عمل پالیتا ہے۔ رذائل سے متنبہ ہو کر اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کر لیتا ہے اور بالآخر وہ اس مقصدِ حیات کو پالیتا ہے جو اُسے قُربِ الہٰی کا وارث بناتا ہے۔ اور اِس امر کی صراحت بھی فرمائی، کہ قرآن کریم انسانی خیالات اور دماغی تفکرات کا نتیجہ نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہ ایک ایسی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس پر چلنے والا انسان دنیا میں غالب اور معزز ہوتا ہے۔ اور اُس سے ایسے اعمال وافعال کا صدور ہوتا ہے کہ اُس کی حمد اور تعریف کی جاتی ہے، اس لئے کہ العزیز اور الحمید خدا کی بنائی ہوئی راہ ہے

قرآن کریم کی اِن صفات کا ظہور عملی طور پر ہر زمانہ میں ہوتا رہتا ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو انقلاب ہوا اور جس تاریکی سے عربوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکالا وہ ایک ایسی تاریخی شہادت ہے کہ اس کا انکار کوئی تلخ دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ ہر قسم کی

بداخلاقیاں اور جہالتیں اُن میں پائی جاتی تھیں، مگر قرآن کریم پر عمل کر کے وہ دُنیا کے معزز انسان اور معلم قرار پائے۔

(۱۰) سورۃ الحجر پارہ ۱۴ کے شروع میں فرمایا:۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

یہاں صراحت کے ساتھ قرآنٍ مُّبین نام رکھا۔ اور الکتٰب وقرآنٍ مُّبین کو جمع کر کے اعلان کیا کہ یہ قرآن کریم ہمیشہ محفوظ اور مرقوم رہے گا اور اس کی تعلیمات ہر زمانہ میں واضح اور روشن رہیں گی۔ اور چونکہ اس کا نام قرآن ہے، یہ پڑھا جاویگا۔

بعض لوگوں کو اس جگہ یہ شبہ گذرا ہے کہ الکتٰب اور قرآن مُبین دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ یہ صحیح نہیں بلکہ وہ ایک ہی چیز ہے۔ اس میں جیسا کہ ابھی میں نے لکھا ہے عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ وہ تحریراً بھی محفوظ رہے گا اور قرأت کے ذریعہ بھی یعنے حفاظ اس کو پڑھتے رہیں گے اور ویسے بھی بہت پڑھا جائے گا۔

مُبین کے لفظ میں اس حقیقت کو بھی مبرہن کیا گیا ہے کہ قرآن کریم جو تعلیمات اور صداقتیں دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے وہ بجائے خود اتنی روشن اور بیّن ہیں کہ فطرتِ سلیم سے کام لینے والا انسان ان کا انکار نہیں کرسکتا۔ جس طرح پر روشنی کا انکار بجز نابینا کے کوئی آنکھ رکھنے والا نہیں کرسکتا

نیز اس لفظ نے قرآن کریم کے اس اثر و نفوذ کو بھی ظاہر کیا جو وہ انسانی

زندگی میں پاک تبدیلی کے ذریعہ کرتا ہے کہ اسے ہر قسم کی تاریکیوں سے نجات دیکر اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور روحانی ترقیات کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہ باتیں نرے دعویٰ کا رنگ نہیں رکھتی ہیں بلکہ قرآن مجید ان جامع الفاظ میں اس انقلاب عظیم کی پیشگوئی کرتا ہے جو قرآن کریم پر عمل کرنے کے بعد افراد اور قوموں کی زندگی میں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جسے صحابہؓ کی زندگیوں نے اور بعد میں آنے والے مؤمنین مخلصین نے تاریخی حیثیت سے ثابت کر دیا۔

غرض کتاب مبین کہہ کر قرآن کریم کے مقصدِ عظمیٰ، اس کی صداقت، جامعیت اور کمال کو پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کتاب مبین آیا ہے، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان مقامات کو اسی سلسلہ میں بیان کر دوں۔

(الف) سورۃ مائدہ رکوع ۳ میں فرمایا:-

يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۥ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (آیۃ ۱۶، ۱۷)

ترجمہ (۱۶) اے اہل کتاب ہمارا رسول یقیناً تمہارے پاس

آچکا ہے اور وہ تمہارے نفع کے لیئے وہ سب کچھ کھول کر بیان کرتا ہے جو تم اپنی کتاب سے چھپاتے تھے۔ اور وہ تمہاری بہت سی (شرارتوں اور شوخیوں) سے درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور خوب وضاحت کرنے والی کتاب آچکی ہے۔

(۱۷) اس کتاب مبین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کی رہنمائی کرتا ہے جو رضائے الٰہی کا طالب ہے اور سلامتی کے راستہ کو چاہتا ہے۔ اور ان لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے اپنے حکم سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور ان کو صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔

یہ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے اور اس کی اعجازی قوت اور صداقت کی دلیل ہے کہ وہ اہلِ کتاب کی مخفیات کو کھول کر بیان کر دیتا ہے جن اُمور کو وہ چھپاتے تھے قرآن کریم اُنہیں ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کے اعجاز اور دلیلِ صداقت ہونے میں کیا شبہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ان اُمور سے واقف نہ تھے اور نہ ہی ان پر واقف ہونے کے سامان تھے یہ خدا تعالیٰ کی وحی اور علم غیب کے اظہار کا نتیجہ تھا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا۔

یہ آیات بجائے خود قرآن کریم اور معاً حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہیں۔ یہاں مُبین کے مقاصد اور مفہوم کو واضح کر دیا اور قرآن کریم کے کمالات اور تاثرات کو واضح کیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے کہ اپنی اخلاقی فاضلہ کا بھی اظہار فرمایا کہ آپؐ کی قوتِ قدسی کیا کام کرتی ہے۔
اور آپ عفو و درگذر کے کس اعلیٰ مقام پر تھے۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا یعفوا
عن کثیر۔

اور اہلِ کتاب کی حیلہ سازیوں اور شوخیوں اور صداقتِ اسلام کو مشتبہ کرنے کے لئے تدابیر کا پردہ بھی فاش کر دیا اور کتاب مبین کے صفات کھول دیئے۔ (۱) وہ رضائے الٰہی اور سلامتی کے طالب کی رہنمائی کرتی ہے (۲) یہ کتاب مبین ہر قسم کی تاریکیوں کو دور کر کے روشنی میں لاتی ہے (۳) اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی قوت بھی عطا کرتی ہے۔

(۱۰) سورۃ انعام رکوع ۷ آیۃ نمبر ۶۰ میں فرمایا۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ یعنے ہر تر اور خشک کتاب مبین میں ہے۔ یہ آیت بڑی لمبی آیت ہے اس میں اللہ تعالےٰ کی وسعتِ علم کو بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں، آپؐ کے اعداء کی ناکامیوں کی پیشگوئیاں اور جزائے اعمال کے لئے اور قرآن کریم کی غیر فانی صداقتوں اور حقائقِ اشیاء جو ہر زمانہ میں ظاہر ہوں گے تعلیم کامل کو چاہتے ہیں اس لئے اس آیت میں بڑی بڑی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔

مَیں قارئینِ کرام کو توجہ دلاؤں گا کہ وہ اِس آیت کے مختلف اجزاء پر غور کریں۔ مَیں نہایت اختصار کے ساتھ یہاں اشارہ کروں گا۔ اِس سے پہلی آیت میں کفار کی نشان طلبی کا ذکر ہے اور نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بھی

بتادیا کہ کون بامراد ہوگا اور کون ناکام۔ پھر اس کو اور واضح کیا اور فرمایا کہ:۔

(۱) غیب کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں اور ان خزانوں کا علم اسی کو ہے

(۲) بحر و بر میں جو کچھ ہے اللہ ہی اُسے جانتا ہے۔

(۳) اور جو پتہ (اپنے درخت سے) گرتا ہے اُسے بھی اللہ ہی جانتا ہے۔

(۴) اور اُس بیج کو بھی وہی جانتا ہے جو زمین کی تاریکیوں میں ہے۔

(۵) اور خشک و تر اس کی کتاب مبین میں ہے۔

یہ سب عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو خزائن دیئے گئے انہیں اُس وقت کون جانتا تھا بجز اللہ تعالےٰ کے۔ یہ خزانے ہر قسم کے مادی اور روحانی ہیں۔

بحر و بر میں جو انقلاب حضور کے ذریعہ سے آنے والا تھا اُس وقت اللہ کے سوا کسی کو کیا علم تھا۔

خشک ہو کر گرنے والے پتہ میں اِس امر کی طرف اشارہ کیا کہ وہ افراد اور قومیں جو حق سے دُور جا پڑی ہیں اب اُن کے گرنے کا وقت آگیا ہے۔ اور مکہ والوں کو بتایا کہ تم نشان طلب کرتے ہو اِس پر غور کرو۔

اور دانہ جو زمین کی تاریکیوں میں پڑا ہوا تھا، اُس وقت اسلام ایک بیج کی طرح تھا جو زمین میں ڈال دیا جاوے لیکن ایک دن وہ عظیم الشان درخت ہونے والا تھا۔

قرآن کریم کے کس کس جمال اور کمال کا ذکر کیا جاوے۔ ولنعم ما قیل ؎

جمالِ و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

یہاں قرآن کریم نے قوموں کے عروج و زوال کا ایک لطیف فلسفہ بیان فرمایا۔ خشک پتہ کا ذکر کرکے بتایا کہ افسر ادیا اقوام کا زوال اُس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک خشک پتہ کی طرح ہو جاتے ہیں، اُن کا وجود نہ اپنے لیئے نہ دوسروں کے لیئے کسی خوبی کا موجب نہیں رہ جاتا۔ پتہ جبتک سبز ہو وہ اپنی قوت اور غذا کو جڑ کے ساتھ پیوند رکھ کر حاصل کرتا اور مختلف فوائد کا ذریعہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو اپنے قیام کا بھی باعث نہیں ہو سکتا۔ اور بادِ مخالف کا معمولی جھونکا اُسے اُڑا دیتا ہے اور اس میں زندگی کے اس زور کو بھی بتا دیا کہ ملت جب تک مرکز اور امام کے ساتھ وابستہ رہ کر قوت اور نشوونما حاصل کرتی ہے وہ زندہ قوم ہوتی ہے اس سے قطع تعلق کے بعد وہ ایک خشک پتہ کی طرح ہو جاتی ہے۔

اور بیج کی مثال میں بتایا کہ بڑھنے والی قوم کو اپنی بے مثال قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ترقیٔ اسلام کی مثال اُس دانہ کی طرح ہے جو زمین میں بو دیا گیا اور کسی کو نظر نہیں آتا۔ یعنی ترقی تدریجی ہوگی۔ اور یہ بیان کرکے بطور قاعدۂ کُلّیہ کے بتا دیا کہ قرآن کریم یا کتاب مبین تو ہر اس بات اور ہدایت کی جامع ہے جو انسان کے لیئے زندگی بخش ہے اور اسے سرسبز اور شاداب (تر) رکھ سکتی ہے۔ اور وہ اصول اور قواعد بھی اس میں موجود ہیں جو قوموں کے زوال اور ہلاک کا موجب بنتے ہیں۔

(ج) اسی مضمون کو برنگِ دیگر سورۃ یونس رکوع ۷ آیت ٦۱ میں فرمایا:-

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۤءِ وَلَاۤ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ أَكْبَرَ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ:- اور تیرے رب کی نظر سے کوئی ذرّہ بھر چیز بھی زمین میں ہو یا آسمان میں پوشیدہ نہیں (بلکہ سچ تو یہ ہے) کہ ذرّہ کیا اس سے چھوٹی یا بڑی چیز بھی کوئی ایسی نہیں جس کی حقیقت کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

جیسا کہ پچھلی آیت میں مَیں نے بتایا ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کے علم کی وسعت کو پیش کیا گیا ہے۔ یہاں بھی اسی مقصد کو ایک دوسرے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ اور اس میں اس علمی نکتہ کو بھی کھول دیا ہے جو آج ذرّہ اور اس کی قوتوں کے متعلق سائنس نے پیش کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ ذرّہ سے بھی کم مقدار کے ذرّات موجود ہیں۔

(د) سورۃ نمل آیت اوّل:-

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

طُورِ سینا پر نازل ہونے والے کلام الٰہی پر غور کرو۔ بالفاظِ دیگر موسیٰ علیہ السلام کو جو کلام طور پر دیا گیا، اُس پر غور کرو تو یہ صداقت کھل جاویگی کہ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنی صداقت

کے روشن دلائل اپنے ساتھ رکھتی ہے اور مومنوں کے لئے بشارات ہیں۔

قرآن اور کتاب مبین دراصل ایک ہی چیز ہے مگر ان کے یہ نام جُداجُدا اپنے خصائص اور اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن کا لفظ قرآن مجید کی تلاوت اور حفاظت بذریعہ حفظ کو ظاہر کرتا ہے اور کتاب کا لفظ اس کی حفاظت بذریعہ تحریر کا نشان ہے۔ اور جب قرآن کریم پر پُوری توجہ کی جاوے تو اس کے اور بھی اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے میں اسم قرآن پر جب بحث کروں گا تو بیان کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔

ایک نکتۂ معرفت

اس سلسلہ کو جاری رکھنے سے پہلے میں یہاں ایک اور بات کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا حُسن و جمال تو ایک ایسا جذب اپنے اندر رکھتا ہے کہ ہر مقام پر

کرشمۂ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا ست

یہاں اللہ تعالےٰ نے قرآن اور کتاب کو جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا مقام بھی قرآن کریم میں ہے جہاں قرآن اور کتاب کو جمع کیا ہے۔ قرآن کریم میں دو ایسے مقام ہیں جہاں قرآن اور کتاب کو جمع کیا ہے ایک یہی آیت جو سورۃ نمل کی اُوپر بیان ہوئی، دوسرا مقام قرآن کریم سورۃ حجر کے شروع میں ہے:۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَ اَرٰی (یعنے میں اللہ جو بہت جاننے والا اور دیکھنے والا ہوں) یہ آیات الکتاب اور قرآن مبین کی ہیں۔

سورۃ نمل میں مُبین کتاب کی صفت بیان کی ہے اور یہاں سورۃ حجر میں قرآن کی صفت مُبین بیان فرمائی۔

جیساکہ میں نے ابھی بیان کیا ہے القُراٰن اور الکِتٰب اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ اور گویا مترادف ہیں۔ مگر دراصل اپنے مفہوم خاص کے لحاظ سے ان کے ناموں میں وسعت اور پیشگوئی ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت اِس رنگ میں بھی ہوگی کہ وہ تلاوت اور قرأت کے لحاظ سے پڑھا جاویگا اور بطور حفظ اس کی حفاظت ہوگی۔ اور الکتاب کے لفظ میں بذریعہ تحریر محفوظ رہے گا۔ اور اس کا ہر رنگ تلاوت کا ہو کتابت کا دلائل و بیّنات کو لئے ہوئے ہوگا۔ مثلاً دُنیا کی کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں جس کے ماننے والے تمام وکمال اس کو حفظ رکھ سکتے ہوں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید کے ہزاروں و لاکھوں حُفّاظ ہر حصۂ ملک میں موجود ہیں۔ دُنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مسلمان ہوں اور اُن میں حُفّاظِ قرآن نہ ہوں۔ ہر سال رمضان میں ہزاروں مسجدوں میں قرآن مجید سُنایا جاتا ہے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان ہر وقت اسے یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور بے شمار ہر وقت دُنیا کے ہر حصہ میں تلاوت

کرتے رہتے ہیں۔ دن رات کا کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا جس میں قرآنمجید پڑھا نہ جاتا ہو اور ایسا ہی کوئی وقت نہیں گذرتا کہ وہ لکھا نہ جاتا ہو۔

پس جہاں فرمایا الکتٰب و قراٰن مّبین تو اس میں پیشگوئی کی کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام دائماً محفوظ اور مکتوب رہے گا۔ اور جہاں قرآن و کتاب مبین فرمایا وہاں اس کی قراءت پر زور ہے۔ نیز اس میں یہ بھی بتایا کہ یہ اُن قوموں کی بھی رہنمائی کرے گا جن میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم ہے۔ اور اُن قوموں کی ہدایت کا ذریعہ بھی ہوگا جن میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج ہے۔

(۵) سورۃ شعراء پارہ ۱۹ پہلی آیت :۔

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

طور سینا پر نازل ہونے والی وحی پر جو موسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ :۔

یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنی ہدایات و تعلیمات میں واضح اور روشن ہے جو اپنی صداقت کے دلائل اپنے ساتھ رکھتی ہے۔

(۶) سورۃ السبا رکوع اوّل آیت ۴ میں اسی مضمون کو برنگِ دیگر پیش کیا ہے جو سورۃ یونس کے رکوع ۷ آیت ۶۱ میں ہے۔

(۷) سورۃ زخرف پارہ ۲۵ :۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ

لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

اللہ حمید مجید فرماتا ہے کہ یہ کتاب مبین اپنی صداقت پر آپ گواہ ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

اِس کتاب مبین کا خود اپنی صداقت پر گواہ ہونا اوّلاً اس لئے ہے، کہ وہ محفوظ اور مکتوب ہے۔ اپنی صداقت کے دلائل کی حامل ہے اور پھر اس کی شہادت اِس رنگ میں بھی ہے کہ ہم نے اِس کتاب کو قرآن بنایا ہے۔ یعنے یہ وہ کتاب ہے جو صرف لکھی ہی نہ جاوے گی پڑھی بھی جاویگی۔ اور اس کا تلاوت کیا جانا اور حفظ کرنا بھی اس کی صداقت کی شہادتِ اندرونی ہے۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ اس کی زبان عربی ہے جو ہر مضمون اور موضوع کو نہایت تفصیل سے بیان کرنے والی ہے اور اُمّ الالسنہ ہے۔ پھر چوتھی وجہ کتاب مبین کے گواہ ہونے کی یہ ہے کہ اس کی تعلیم وہدایت پر عمل اور غور انسان کی قوتِ عقلیہ کی تربیت کرتا ہے اور عقل وفکر کی قوتوں کو نشوونما دیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی کوئی تعلیم وہدایت خلافِ عقل نہیں اور کوئی حکم تکلیف مالایطاق کا مصداق نہیں اور یہ کتاب مجید جس کا دوسرا نام قرآن بھی ہے اُمّ الکتاب میں ہے۔ اور ہمارے نزدیک اِس کتاب کا مقام ومرتبہ بلند ہے اور وہ سراسر حکمت ہے۔

اُمّ الکتٰب سے کیا مُراد ہے؟

اِس کتاب مبین کے متعلق فرمایا کہ

وہ اُمّ الکتٰب میں ہے۔ اُمّ الکتاب سے کیا مراد ہے؟ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کا نام اُمّ الکتٰب ہے۔ گویا سارے قرآن مجید کا خلاصہ اور عطر سورۂ فاتحہ میں موجود ہے۔ سارا قرآن کریم اسی کی تفسیر ہے۔

اُمّ الکتٰب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں لوح محفوظ لوہے یا لکڑی کی تختی نہیں بلکہ یہ علم الٰہی ہی کا دوسرا نام ہے تو یہاں یہ فرما کر کہ کتاب مبین اُمّ الکتاب میں ہے قرآن کریم کی حفاظت کا دعویٰ کیا ہے اور پیشگوئی فرمائی ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت اور زمانہ کے کسی قسم کے اثرات اس کتاب مبین کو زائل نہیں کر سکتے۔ اور یہ فرما کر کہ ہمارے حضور اس کتاب مبین کا مقام بہت بلند ہے، یہ ظاہر کیا کہ قرآن کریم کی عظمت وشان بہت ارفع ہے۔ دشمن اگر بڑی کوشش کرے کہ وہ قرآن کریم کی اشاعت اور اس کی بیان کردہ صداقتوں کے لئے روک ہو تو وہ خود ذلیل ہو جاویگا، اور یہ کتاب مبین سراسر حکمت ہے۔

اس طرح پر کتاب مبین کی یہ خوبیاں اور کمالات بجائے خود اس کی صداقت کے لئے اندرونی شہادتیں ہیں اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں میں یہ انقلاب پیدا کر دیا کہ دُنیا میں اُن کو مقام رفیع عطا فرمایا، دُنیا کی حکومتیں اُن کے قدموں پر نثار ہو گئیں اور اُس کے ماننے والوں نے علم وحکمت کے چشمے بہا دیئے۔

میرے اِس رسالہ کا مقصد صرف اشارات کرنا ہے ورنہ ایک آیت پر

مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

(ح) سورۃ قصص کی پہلی دوسری آیات میں بھی اس کتاب مبین کا ذکر فرمایا۔

(ط) سورۃ دخان پارہ ۲۵ کی پہلی ۶ آیات میں کتاب مبین کی تصریح کی ہے۔ فرمایا:۔

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۙ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ

اس سورۃ کو بھی حٰمٓ سے شروع کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن کریم یا کتاب مبین کو پھر بطور گواہ پیش کیا گیا ہے یعنے قرآن کریم اپنی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کی آپ دلیل ہے، اور اس کی تصریح یوں فرمائی۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس کا نزول وقتی ضرورت کے ماتحت ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ دنیا میں قرآن کریم کے نزول کے وقت ایک عام تاریکی تھی۔ جہالت کی تاریکی، اخلاقِ فاضلہ کو ترک کرکے رذائل میں مبتلا ہونے کی تاریکی، رسم و رواج کی پابندیوں کی تاریکی۔ غرض گوناگوں قسم کی تاریکیوں میں دنیا مبتلا تھی ؎

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

وہ جہالت و تاریکی کا زمانہ بالطبع چاہتا تھا کہ اِس تاریکی کو دُور کرنے کے لئے طلوعِ آفتابِ صداقت ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ وہ نُور دُنیا میں آیا اور یہ کتابِ مبین اس پر وحی ہوئی۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ - قرآن کریم کا نزول غیر طبعی نہیں، بلکہ وہ سُنّتِ الٰہی کے استمراری قاعدہ کے مطابق نازل ہُوا ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیشہ دُنیا میں اپنے نبیوں کو بھیجتا رہا ہے جو آنے والے عذاب سے دُنیا کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید بھی اپنے اندر انذاری اور تبشیری پیشگوئیاں رکھتا ہے اور یہ پیشگوئیاں اس کی صداقت کی اندرونی شہادتیں ہیں۔

سوم۔ قرآن کریم میں ہر حکمت کی بات کا فیصلہ کر دیا گیا ہے (فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝) اور یہی اس رات کے مبارک رات ہونے کا ثبوت ہے، کہ اس میں نازل ہونے والے کلام الٰہی میں جو اُمور بھی بیان کئے گئے ہیں وہ اپنے اندر بے شمار برکات رکھتے ہیں اور وہ سراسر حکمت ہیں۔

چہارم۔ مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ یہ اُمورِ مبارکہ اور محکمہ جو اِس لیلِ مبارک میں نازل ہوئے ہیں یہ ہماری طرف سے ہیں۔

پنجم۔ یہ بتایا کہ یہ سراسر حکمت و برکت اُمور ثابت کر دیں گے کہ محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ہی فرستادہ رسُول ہیں۔ اور عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے۔

ششم۔ شروع میں فرمایا تھا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ یعنے اِس کتاب کے

ذریعہ ہم ڈرانے والے ہیں۔ یہ نکتہ کے مخالفین اور قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء کے لئے ایک دائمی شہادت ہے کہ آپؐ کے اعداء کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اُن کے لئے ذلت اور شکست مقدر ہو چکی ہے۔ یہاں دوسرا پہلو بیان کیا ہے کہ یہ کتاب برکات اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔

(رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ) خدا تعالیٰ کی رحمت کے جذب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس کے حضور گرے اور دُعاؤں سے کام لے۔ اور وہ دُعاؤں کو سُنتا ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

مَیں نے ابتدائی آیات کے متعلق یہ مختصر سی صراحت بطور اشارات کی ہے۔ اور کتاب مبین کی کیا شان ہے؟ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں کتاب کی صفت مبین بیان ہوئی ہے۔ اور اگر قرآن کریم میں اور بھی کوئی ایسا مقام ہے تو اُس کے حل کرنے کے لئے بھی یہ اشارات انشاء اللہ مفید ہوں گے۔

اب پھر اسی سلسلہ کی طرف عود کرتا ہوں۔

(۱۲) سورۃ مائدہ رکوع ۷ آیت نمبر ۴۸ جو وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ سے شروع ہو کر فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ پر ختم ہوتی ہے:

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط لِكُلٍّ جَعَلْنَا
مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ

یہ بڑی لمبی آیت ہے اس میں ابتداءً اہل الانجیل پر اتمام حُجت کیا کہ انجیل ہی کے ذریعہ فیصلہ کریں۔ وہ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر شاہد ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کے نزول کا ذکر فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

اور ہم نے تجھ پر الکتٰب نازل کی۔ اور پھر اس کی خوبیوں اور کمالات کی وضاحت کی۔

(۱) ہم نے اِس کتاب کو حق کیساتھ اُتارا۔ اس میں بتایا کہ اس کی ہدایات اور تعلیمات سراسر حق ہیں کسی رنگ میں باطل کا اس میں دخل نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ صراحت فرمائی۔ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ آگے پیچھے کسی طرح سے بھی باطل اس پر مؤثر نہیں ہو سکتا۔

(۲) اِس کتاب کے حق ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ مصدق ہے۔ یعنے حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتی ہے۔ اور وہ ان تمام پہلی کتابوں اور صحائف کی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئے تصدیق کرتی ہے۔ انکا

نزول منجانب اللہ تسلیم کرتی ہے۔ اور اُن کتابوں میں جو پیشگوئیاں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق کی گئی تھیں ان کے پُورا ہونیکی بھی مصدق ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ کتاب مہیمن ہے۔ یعنے تمام اُن صداقتوں اور صحیح تعلیمات کی (جو کتب سابقہ میں دی گئی تھیں اور جن میں تحریف و تبدیل ہو چکی ہے) جامع اور محافظ ہے۔ اور الحاقی اور غلط امور کو غلط قرار دیکر اپنے مہیمن ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔

چونکہ اِس کتاب قرآن کریم کا یہ کمال ہے اس لئے فرمایا کہ اہل کتاب یا اہلِ انجیل کے امورِ مختلفہ میں قرآن کریم ہی کے ذریعہ فیصلہ کرنا۔ انکی گری ہوئی خواہشوں کی اتباع ضروری نہیں۔ اس لئے کہ تیرے پاس تو حق آگیا ہے اور اس کی شان یہی ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

(۱۳) سورۃ انعام رکوع ۱۴ - آیت ۱۱۶

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ
اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو حَکَم (فیصلہ کرنیوالا) تلاش کروں۔ اور وہ تو ذات پاک ہے جس نے تمہاری طرف ایسی کتاب

نازل کی ہے جو اپنی ذات میں مفصّل ہے۔ اور جو اہلِ کتاب ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ پس اے مخاطب! تُو شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو۔

یہاں الکتٰب کی صفت کتاب مُفصّلاً بیان فرمائی ہے یعنی یہ کتاب تمام امور کو وضاحت وصراحت سے بیان کرتی ہے۔ اپنے دعاوی اور دلائل کے لئے کسی دوسرے کی محتاج نہیں۔ اور جو احکام اور ہدایات پیش کرتی ہے ان کے تمام پہلوؤں کو واضح کر دیتی ہے۔ اور کتاب مفصّل پہلی کتب کے مقابلہ پر بھی ہے، اس لئے کہ پہلی کتابیں ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لئے آتی تھیں اس لئے ان کی تعلیمات اور ہدایات ایک خاص پہلو کو لئے ہوئے تھیں۔ قرآن کریم چونکہ کل نسلِ انسانی کے لئے آیا تھا اس لئے اسکی تعلیمات وہدایات میں تمام شعبوں کو مدِّنظر رکھا گیا۔

اور یہ امر کتب سابقہ کی تعلیمات کے مقابلہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ قرآن کریم خود حَکَم ہے۔ قرآن کریم پر کوئی دوسرا حَکَم نہیں ہو سکتا اور اس نے ہر عقیدہ کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اس لئے شک کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں رہ جاتا اس لئے فرمایا کہ یہ کتاب حق لے کر آئی ہے، پھر شک کیوں؟

(۱۴) سورۃ اعراف رکوع ۶ آیت ۵۲ میں فرمایا:۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور یقیناً ہم نے ان کو کتاب دی ہے جس کی تفصیل ہم نے علمی رنگ میں کی۔ وہ ہدایت ہے، وہ رحمت ہے مگر اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے۔

اس میں قرآن کریم کو کتاب کہہ کر یہ بتایا کہ وہ جو کتاب مفصّل ہے وہ اپنی ہدایات و تعلیمات اور عقائد کی تفصیل بے معنی رنگ میں نہیں کرتی بلکہ اس کا بیان علمی ہے اور علمی دلائل سے وہ ہر عقدہ کو کھولتی ہے۔ اور اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جو شخص اس پر عملاً ایمان لاتا ہے وہ اس کی ہدایت اور رحمت یقین کرتا ہے۔

(۱۵) سورۃ نحل پارہ ۱۴ رکوع ۸ آیت ۶۳ میں فرمایا

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اُتاری ہے مگر اس لئے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے اور مومنوں کے لئے یہ ہدایت اور رحمت ہے۔

یہاں قرآن کریم (الکتاب) کا یہ کام بھی بتایا کہ وہ اختلافات مذہب میں صحیح فیصلہ کرتی ہے اور اختلاف کرنے والوں پر اُن کے اختلاف کی حقیقت کو واضح کر دیتی ہے۔ اور اس طرح پر وہ حَکَم کا کام کرتی ہے۔

(۱۶) پھر اسی سورۃ نحل رکوع ۱۲ آیت ۸۹ میں فرمایا:-

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○

اس سے اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ قیامت کے دن ہر اُمت کا نبی بطور شاہد پیش ہوگا اور ان سب پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہد ہونگے اور اس کے ثبوت میں فرمایا۔ اسی لئے

ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جو دین کی تمام باتوں کو بیان کرتی ہے اور (اپنی اس صراحت و بیان کی وجہ سے) وہ مسلمانوں کے لئے رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اُن کے لئے رحمت ہے اور بشارت ہے۔

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ سے مراد وہی امور ہیں جو انسان کی زندگی کے لئے ایک ضابطہ عمل ہیں۔ خواہ وہ اس کی اخلاقی حالت یا روحانی ضرورت کے متعلق ہوں، انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے وہ ایک کامل رہنما ہے اور اس کی تعلیم کی پیروی اور اطاعت کرکے ایک انسان دیکھ لے وہ اسکو رحمت اور بشارت پائے گا۔ یہاں بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ کہہ کر اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ تمام برکات کامل اطاعت اور فرمانبرداری سے وابستہ ہیں۔

(۱۷) سورۃ قصص رکوع ۹ آیت ۸۷ میں فرمایا:-

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

یعنی۔ اور تو یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ تجھ پر الکتٰب نازل ہوگی ہاں یہ تیرے رب کی رحمت ہے۔ پس کافروں کا مددگار نہ ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی بعثت سے پہلے یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ منصب نبوت سے سرفراز کیے جائیں گے۔ اسی اصل کے ماتحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ علم نہ تھا کہ آپؐ نبی ہوں گے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ آپؐ ایسی پاک فطرت لے کر آئے تھے جو نبوت کے تمام خدوخال کو لئے ہوئے تھی۔ چنانچہ جب آپؐ پر غار حرا میں ابتدائی وحی نازل ہوئی اور آپؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔ یعنے ایک امر عظیم میرے سپرد ہو رہا ہے۔

غرض یہاں اس کتاب کو جو آپؐ پر نازل ہوئی۔ فرمایا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یہ تیرے رب کی رحمت ہے۔

(۱۸، ۱۹، ۲۰) سورۃ عنکبوت کے رکوع ۵ کی آیت ۴۷، ۴۸ اور ۵۲ میں بھی الکتٰب ہی کا ذکر فرمایا۔

آیت نمبر ۵۲ میں فرمایا:۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

کیا اُن کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر الکتٰب کو

نازل کیا ہو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ یقیناً اس کتاب میں مومنوں
کے لیے رحمت اور ذکریٰ ہے۔

ذکریٰ کی توضیح میں قرآن کریم کے اسم ذکر اور ذکریٰ میں انشاء اللہ کرونگا۔

(۲۱) سورۃ لقمان پارہ ۲۱ رکوع اوّل آیت ۱ تا ۵ میں فرمایا:-

الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى
وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۙ
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

میں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں (۲) یہ کتاب الحکیم کی آیات
ہیں (۳) یہ محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں (۴) جو نمازوں
کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے
ہیں (۵) یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں (اور اس کا ثبوت یہ
ہے کہ) وہی کامیاب ہوں گے۔

یہاں کتاب کی صفت حکیم بیان کی ہے۔ یعنے اس کا اسلوب بیان نہایت
صحیح ہے اور اس کی مندرجہ تعلیم سراسر حکمت ہے۔ برمحل ہے اور مضبوط
دلائل پر مبنی ہے۔ اور اس پر عمل کرنیوالی جماعت یعنے محسنین کے لئے رحمت
اور ہدایت ہے۔

پھر چوتھی اور پانچویں آیات میں محسنین کے اعمال کی صراحت فرمائی
ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ قرآن کریم کی برکات سے بہرہ اندوز

ہونے کے لئے اِن اعمال کی ضرورت ہے۔

(۲۲) سورۃ سجدہ پارہ ۲۱ رکوع اوّل آیت اوّل میں فرمایا:۔

الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اِس جگہ قرآن مجید (الکتاب) کی وسعتِ دعوۃ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اس کی صورت نزول کی کیفیت بھی بیان کردی۔ وسعتِ دعوت تو اس طرح پر کہ فرمایا یہ کتاب ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوئی اسلئے کسی خاص قوم، ملک اور وقت کے لیے نہیں جس طرح پر ربوبیت عالم کا کوئی محدود دائرہ نہیں، اِس کتاب کی تبلیغ و اشاعت اور اثر و نفوذ کا کوئی حلقہ نہیں۔ اور تنزیل کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ وہ نجماً نجماً نازل ہوئی ہے اور ربّ العالمین کی طرف سے نزول میں یہ بھی اشارہ کیا کہ وہ تربیت کی تمام شاخوں اور شعبوں پر حاوی ہے۔

(۲۳) سورۃ فاطر پارہ ۲۲ رکوع ۴ آیت ۳۲ میں فرمایا:۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

اِس جگہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کو کتاب کے نام سے موسوم کرکے فرمایا:۔

اور جو کتاب ہم نے تیری طرف وحی کی ہے وہ حق ہے اور وہ تمام اُن صداقتوں کی تصدیق کرتی ہے جو موجود ہیں۔ بے شک اللہ اپنے

بندوں سے خبردار اور ان کو دیکھنے والا ہے

(۲۴) سورہ ص پارہ ۲۳ رکوع ۳ آیت ۳۰ :-

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

اس آیت میں الکتٰب کے نزول کا مقصد بھی بیان کیا ہے کہ اس پر تدبر کرنا چاہیئے۔ اور قرآن کریم پر تدبر انسان کو اولوالالباب بنا دیتا ہے اور قابل تذکرہ بھی۔

(۲۵) سورۃ زمر پارہ ۲۴-۲ آیت اوّل میں فرمایا :-

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○

یہ کتاب اللہ تعالیٰ العزیز الحکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس قرآن کریم کا نزول اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور وہ العزیز اور الحکیم ہے۔ ان ہر دو صفات کے ذکر سے غرض یہ ہے کہ اس کتاب کا سچا متبع ہمیشہ غالب اور معزز رہے گا۔ نیز اس کتاب کی تعلیم ایسی محکم اور پُر حکمت ہے کہ جُوں جُوں سائنس اور علوم ترقی کریں گے اسی قدر اس کا کمال اور خوبی روشن ہوگی اور قرآن کریم کی پیش کردہ تعلیم و ہدایت برمحل اور موزون ہے۔

پھر اسی دعوےٰ کی دلیل دوسری آیت میں یوں دی :-

(۲۶) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○

یعنی (اے نبی) یقیناً اِس کتاب کو ہم نے حق کیساتھ تجھ پر نازل کیا ہے۔ پس تو اللہ تعالےٰ کی عبادت پُورے اخلاص سے کر۔

بِالْحَقِّ سے یہ مراد ہے کہ حق و حکمت کیساتھ اسے نازل کیا ہے عبث اور بے معنی نہیں۔ اس کی تصریح قرآن کریم نے دوسرے مقامات پر یوں کی۔ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنے وقت اور زمانہ بالطبع تقاضا کرتا تھا کہ ایسی جامع کتاب نازل ہو۔ پھر اس کتاب کی تعلیم حق ہے۔ اس کی تائید سورۃ بقرہ کی آیت ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ اور سورۃ آل عمران کے پہلے رکوع میں یہ صراحت فرمائی وَ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔

قرآن مجید کے نزول کی غرض و غایت الحق کی اشاعت اور تبلیغ ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بھی الحق رکھا ہے۔

(۲۷) سورۃ مومن کا آغاز بھی اسی آیت سے کیا گیا ہے۔ مگر وہاں خدا تعالےٰ کی صفت العزیز کے ساتھ العلیم کا ذکر کیا ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی صفت حکیم و علیم کو نبوت کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ حکیم کا مفہوم ہے حقائق الاشیاء کا عالم۔ یہ اسم حکمت سے مشتق ہے۔ اور حکمت کہتے ہیں جس فعل پر عمدہ آثار مترتب ہوں۔ وضع الشّيِ فِي مَحَلِّهٖ یعنی کسی چیز کو اس کی اپنی جگہ پر جو موزوں

ہے رکھنا۔ اور اس سے مُراد ہوتی ہے کمالِ علم اور حُسنِ عمل اور احکامِ علم و عمل
اس لحاظ سے حکیم وہ ہے جو حقائق الاشیاء کا عالم ہو اور صناعات کے
دقائق کا ماہر ہو۔ اور جب قرآن مجید کے نزول کی نسبت الحکیم العلیم
خدا کی طرف ہے تو قرآن کریم ان تمام کمالات کا جامع ہے جو تعلیم اور ہدایت
پیش کرتا ہے وہ محکم ہے اور اس پر عمل بہترین نتائج اور ثمرات کو
پیدا کرتا ہے۔

اور ایسا ہی صفت العزیز کو بھی نبوت سے خاص تعلق ہے اور
اس صفت کے اظہار سے یہاں قرآن کریم اور اس کے لانے والے حضرت
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور کامیابی کی بشارت ہے۔ اس لئے کہ
العزیز کے معنے ہیں ایسا غالب اور قاہر کہ کوئی طاقت اور قوت
اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ پس قرآن مجید ہر میدان میں غالب ہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور فتوحات تو دشمنوں نے بھی تسلیم کی ہیں۔

(۲۸) سورۃ حٰم سجدہ پارہ ۲۴ کے ابتداء میں فرمایا:۔

حٰمٓ ۚ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ کِتٰبٌ
فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ
بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا
یَسۡمَعُوۡنَ ۝

اس جگہ قرآن کریم کے نزول کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل
ہوا ہے اور وہ محفوظ اور مکتوب ہے۔ اس کی آیات واضح ہیں اور یہ کتاب

دائماً پڑھی جاوے گی، اور عربی زبان میں ہے۔ اِس قرآن کریم سے فایدہ اُٹھانے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

یہاں اوّلاً یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تنزیل رحمٰن رحیم کی طرف سے ہے۔ ان الفاظ میں یہ خوبی ہے کہ صورتِ نزول، وجہ نزول اور نتیجہ نزول سب بیان کر دیئے ہیں۔ تنزیل کا لفظ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر آیا ہوں ظاہر کرتا ہے کہ قرآن مجید نجماً نجماً نازل ہوا۔

رحمٰن اللہ تعالےٰ کی وہ صفت ہے جس کے معنے ہیں بن مانگے بڑا مبادلہ دینے والا۔ اِس صفت کا تقاضا ہے کہ انسان کی روحانی اور جسمانی عام مشترک ضرورتوں کا تکفل کرے۔ ان میں سے ذریعۂ ہدایت کا مہیا کرنا بھی ہے، جو ارسالِ رُسل اور نزولِ کُتبِ سماویہ ہے۔ قرآن مجید بھی اِسی صفت کے ماتحت نازل ہوا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ

یعنے صفتِ رحمانیت کا ہی تقاضا ہے کہ قرآن سکھایا۔ نتیجۂ نزول صفت الرَّحِیْم سے ظاہر کیا۔ کیونکہ الرَّحِیْم کے معنے ہیں سچی محنتوں کو ضائع نہ کرنے والا۔ پس جو لوگ قرآن کریم کی ہدایت اور تعلیم پر عمل کریں گے اُنہیں بامُراد کیا جاوے گا۔ جیسا کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں وعدہ فرمایا ہے۔ پھر آگے چل کر کتاب کی خوبی بتائی۔ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ اس کی ہر ایک آیت واضح اور صاف ہے۔ پھر اس کتاب کا نام قرآن رکھ کر اس کی دائمی تلاوت کی پیشگوئی فرمائی اور آیات کی وضاحت اور

تفصیل کو اس رنگ میں بیان کر دیا کہ اس کی زبان عربی ہے جو مطالب و مقاصد کو نہایت کھول کر بیان کرتی ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ اس سے فائدہ اُٹھانے والے کون ہیں؟

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ قرآن مجید علوم کے دروازے کھولتا ہے اور وہ خود جامع العلوم ہے اور علوم اور سائنس کی ترقیات اس کے کمال اور اعجاز کو ثابت کریں گی۔

سورۃ دخان اور زخرف کے مقامات میں پہلے لکھ آیا ہوں۔

(۲۹) سورۃ جاثیہ کی پہلی آیت میں بھی سورۃ زمر کی پہلی آیت کی طرح ہی کتاب کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ محفوظ، مرقوم صحیفہ العزیز اور الحکیم خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ اسکی تعلیمات پر عمل غلبہ عطا کرتا ہے، عزت بخشتا ہے اور حکمت و دانش کے دروازوں کو کھول دیتا ہے۔

(۳۰) سورۃ احقاف کی پہلی آیت میں بھی اسی رنگ میں ذکر فرمایا۔

(۳۱) سورۃ احقاف کے رکوع ۲ آیت ۱۲ میں اسی الکتٰب کے صفات کا ذکر فرمایا۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝

یعنی۔ یہ کتاب تمام صداقتوں کی مصدق ہے اور اسے ایسی

زبان میں نازل کیا گیا جو عربی ہے۔ اس کتاب کا یہ کام ہے کہ جو لوگ اس کی تکذیب کریں گے اُن کے لئے یہ انذار کرتی ہے اور محسنین کیلئے بشارت ہے۔

الغرض قرآن کریم نے اپنا نام کتٰب اور الکتٰب بیان کر کے اُن تمام خوبیوں اور کمالات کی تصریح کر دی جو قرآن کریم میں ہر جہت سے موجود ہیں اور دُنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرح تمام کمالات کی جامع ہے۔

اور اس حُسن و جمالِ قرآنی نے ایک عاشقِ قرآن کے مُنہ سے کہلوا دیا کہ

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھُوموں کعبہ مرا یہی ہے

(۳۲) سورۃ کہف کی ابتدائی آیات میں فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝

ترجمہ:۔ کامل تعریف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر الکتاب نازل فرمائی۔ اور اس کتاب میں کسی قسم کی بھی کجی نہیں رکھی بالکل صاف سیدھی تعلیم ہر قسم کے پیچ و خم سے

پاک ہے۔ اور اس کے نزول کا ایک مقصد یہ ہے، کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے متنبہ کرے اور مومنوں کو جو اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں بشارت دے کہ یقیناً اُن کے لئے ایسا اجر مقدر ہے جو ہر قسم کی خوبیوں کا جامع ہوگا۔ اور اس میں وہ سدا ہی خوش و خرم رہیں گے۔

قرآن مجید کی تعلیم سیدھی اور صاف ہے یہاں قرآن مجید کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ اس کی تعلیم صاف اور سیدھی ہے۔ صداقت کا یہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے کہ وہ ہر قسم کی پیچیدگی سے پاک ہے تاکہ اس کے قبول کرنے میں کسی قسم کا ابہام واقع نہ ہو۔ جس امر میں پیچیدگی ہو اور مختلف قسم کی الجھنیں ہوں وہ صداقت نہیں ہو سکتی۔ یہ باطل کا خاصہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم اپنی صداقت پر اس عالمگیر مسئلہ کو پیش کرتا ہے کہ اس کی ہدایت ہر قسم کے پیچ وخم سے پاک ہے۔ وہ ایک صِرَاطِ مُّسْتَقِيْم ہے۔ یہ دعویٰ یہاں ہی نہیں قرآن کریم کے متعدد مقامات میں پایا جاتا ہے۔ کبھی وہ اسے اس رنگ میں پیش کرتا ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اور کبھی کہتا ہے يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔ اور کبھی هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا وقِس علیٰ ذٰلِكَ ۔

دوسرا مقصدِ نزول دوسری خوبی اس قرآن کریم کی یہ بیان کی جو گویا اس کا مقصدِ نزول ہے کہ قرآن کریم کا کام

تبشیر اور تنذیر ہے، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ جب بھی کوئی صداقت اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیش ہوئی اُس نے ماننے والوں کو اُن کے اعمالِ صالحہ کے نتائج کے بہترین اجر کی بشارت دی اور نہ ماننے والے گروہ کو عذاب سے ڈرایا اور یہ دونوں امر جب ظہور پذیر ہوتے ہیں تو اس کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر قرآن کریم نے یہاں اسی کلیہ کے موافق بتایا کہ یہ الکتاب جو ہر قسم کے پیچ و خم سے پاک ہے اپنے عملی نتائج میں ثابت کر دیگی کہ وہ خدا تعالےٰ کا غیر فانی کلام ہے۔

قرآن مجید تمام خوبیوں کا جامع ہے

اِس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا ہے اور ہر قسم کی ستائش و حمد کے مالک اللہ تعالےٰ کا جو کلام ہو اس کا تمام خوبیوں سے متّصف ہونا لازمی ہے۔ اس لئے الحمد للہ کہہ کر یہ بتا دیا کہ اِس الکِتٰب میں تمام وہ کمالات جمع ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ قدوس ہے، قرآن کریم اپنے اندر تزکیۂ نفس اور تطہیرِ قلب کے گُر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے، قرآن مجید بے شمار پیشگوئیوں کا جامع ہے جو ہر زمانہ میں ہر رنگ میں پُوری ہو کر اس کی صداقت کا اعلان کرتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ علیم ہے، قرآن مجید تمام علوم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالےٰ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے۔ قرآن مجید اپنے وجود میں ہر رنگ میں بے نظیر ہے۔ یہاں تک کہ کوئی انسان یا جماعت

باوجود اتنا زمانہ گذرنے کے چودہ سو برس ہونے کو آتے ہیں زبردست تحدّیوں پر بھی اس کی مثال لانے پر قادر نہ ہو سکا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

قرآن کریم قیّماً قیّم لغت میں کام کو نبھانے والے (متولّی)، اچھے اخلاق، اور ایسا مذہب جس میں کجی نہ ہو، اور ردّ نہ کرنے والے اور دُنیا و آخرت کے امور کو درست کرنے والے کو کہتے ہیں۔

لغت کے ان تمام مفہوم کے لحاظ سے قرآن کریم کی رفعتِ شان کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم بہ حیثیت متولّی کے دوسری کتب اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہر قسم کے غلط الزامات کو دُور کرتا ہے اور انسانی تربیت کیلئے خواہ وہ انسان کی زندگی کے کسی شعبہ کے متعلق ہو کامل تربیت کا ذمہ دار ہے۔ اور قرآن کریم کی اخلاقی تعلیم ایسی کامل ہے کہ وہ انسان کی تمام قوتوں اور جذبات کے تقاضوں کو اخلاق کے صحیح سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ اور اس پر عمل انسان کی دُنیا اور عاقبت کو درست کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی اس صفت کا اظہار دوسری جگہ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کہکر بھی کیا ہے اور اس کی لائی ہوئی صداقت کو دِيْنُ الْقَيِّمِ فرمایا۔

مَیں نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کے اُن مقامات کو جہاں الکتٰب کے نام سے اس کو موسوم کیا گیا ہے جمع کر دوں۔ بہت ممکن ہے بعض مقامات رہ گئے ہوں۔ اگر ایسا ہو تو اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ مَیں نے بطور نمونہ اس حل کو پیش کر دیا ہے کہ قرآن کریم کا نام الکتٰب کیوں رکھا گیا ہے۔ اب مَیں اس کے دوسرے اسماء کا ذکر کرتا ہوں۔

وَباللہ التوفیق وھو نعم المولیٰ ونعم الرفیق۔

(۲) القرآن اور قرآن کریم

قرآن مجید کے ان اسماء میں سے جو خود قرآن کریم نے بیان کئے ہیں، ایک نام قرآن ہے۔ اور قرآن مجید میں متعدد آیات میں اس نام کو تنہا اور بعض دوسری صفات کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔

اسم قرآن کے متعلق مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں بڑی بحث کی ہے۔ کہیں صرفی نقطۂ خیال سے، کہیں لغوی پہلو سے۔ مَیں ان بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اپنے وقت میں شاید اس قسم کی بحثوں کی ضرورت ہو مگر اس عہدِ جدید میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کی تاثیرات اور تعلیمات کو ایسے رنگ میں بیان کرنے کی ضرورت ہے جس سے اظہار الدین ہو۔

جس طرح پر مَیں نے بتایا ہے کہ اس کلامِ الٰہی کا نام الکتٰب رکھنے میں کیا مقصد ہے اُسی طرح مَیں بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کا نام قرآن یا قرآن مع صفاتِ مختلفہ مجید، کریم وغیرہ کیوں رکھا؟

قرآن کریم کا نزول جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں کسی خاص قوم اور مُلک اور خاص وقت کے لئے نہیں ہوا۔ اس کے زیرِ تعلیم و ہدایت کُل نسلِ انسانی تھی خواہ وہ کسی رنگ کی ہو یا کسی مُلک کی رہنے والی ہو۔ اور مختلف اقوامِ عالم

میں ایسی اقوام بھی قرآن مجید کے نزول کے وقت موجود تھیں جن میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ خود وہ وجود باجود جس پر یہ کتاب مجید نازل ہوئی (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھا ہوا نہ تھا۔ جیسا کہ پہلی وحی کے وقت آپؐ نے فرمایا ما انا بقارئ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اور خود قرآن کریم اس کی تائید فرماتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ○ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○

یعنے اور اس سے پہلے تو کسی کتاب کو نہ پڑھتا تھا اور نہ ہاتھ سے لکھتا تھا تا باطل پرستوں کو شک کرنے کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ بلکہ وہ آیات بیّنات ہیں جو اہل علم لوگوں کے سینوں میں ہیں اور ہماری آیات کا انکار وہی کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔

یہ آیت میں نے اس مقام پر محض اس امر کی تائید میں پیش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بعثت کے وقت لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور یہ امر قرآن کریم کی اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے۔

اور قرآن کریم نے اسے بطور دلیل ہی پیش کیا ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے ہوئے ہوتے یا لکھنا جانتے تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم

کی ہدایات اور تعلیمات کو آپؐ نے کسی کتاب میں پڑھ کر اور نوٹ کر کے جمع کر دیا ہو جب حالت یہ ہے تو یہ اعتراض لغو ہے۔

غرض کتاب مجید کا نام قرآن اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ قرأت اور تلاوت کے ذریعہ حجۃ اللہ ہے اور ان قوموں پر بھی اپنے اثر اور نقوش کو قائم کرتا ہے جن میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا یا کم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی تعلیمات کو دُنیا کی ان قوموں نے بھی قبول کیا جو تعلیمیافتہ تھیں اور انہوں نے بھی جو اُمی کہلاتی تھیں۔

یہ نام قرآن (کریم) عام طور پر مشہور ہے۔ اور جس کے سننے سے ہر شخص خواہ وہ قرآن کریم کا ماننے والا ہو یا نہ ہو اس کے متعلق ایک خاص شعور پیدا کر لیتا ہے اور وہ نام ہے قرآن (کریم)

قرآن کا مفہوم اور معنی ہیں پڑھنے کی چیز۔ اس نام کے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ کہ

قرآن کریم دُنیا کی سب کتابوں سے زیادہ پڑھا جائیگا

رات اور دن کے ہر حصہ میں اور رُوئے زمین کے ہر گوشہ میں ہر وقت قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اور بسیط ارض پر ہر وقت کسی نہ کسی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ نماز کے علاوہ مسلمان اس کی تلاوت کرتے ہیں جو حفاظِ قرآن ہیں وہ اس کا دَور کرتے اور منزل پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ ناظرہ پڑھتے کچھ ترجمہ پڑھتے اور کچھ تفسیر پڑھتے ہیں۔ اور یہ پڑھنے

والے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہیں۔ جن میں کچھ آزاد خیال ہوتے ہیں اور بعض قرآن مجید کی تعلیمات اور پیشکردہ صداقتوں پر اعتراض کرنے کے نقطۂ خیال سے پڑھتے ہیں۔ غرض یہ ایک ایسی واضح صداقت ہے کہ

قرآن مجید دنیا کی ہر ایک مذہبی کتاب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے

اسی خصوصیت کی بناء پر اللہ تعالےٰ نے اس کا نام زبانِ وحی میں قرآن رکھا اور یہی حکمت تھی کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں ارشاد ہوا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ

یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھو۔ اِس سے قرآن کریم کے اس مقصدِ عظیم کا بھی پتہ لگتا ہے کہ

وہ دُنیا سے جہالت کو دُور کرنے کے لئے آیا ہے

اور اس کا مقصد تعلیم کی عام اشاعت ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحصیلِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اور حصولِ علم کے لئے فرمایا کہ انسان کی زندگی کا کوئی حصّہ ایسا نہیں جس میں وہ علم حاصل نہ کرسکتا ہو یا اسے تحصیلِ علم سے رُکنا چاہیئے۔ مُدّتِ تعلیم کے لئے فرمایا کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ۔ یعنی گہوارہ سے لے کر گور تک علم حاصل کرتے رہو۔ اور اس کے لئے اگر کہیں کا بھی سفر کرنا پڑے اور جہاں تمہارے علم میں ترقی ہوسکتی ہو وہاں چلے جاؤ۔ اور اِس

جدّ و جہد کے ساتھ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دُعا کرتے رہو۔ اور ہمیشہ عِلْمًا نَافِعًا کی دُعا کرو۔ علم باوجود علم ہونے کے مضر بھی ہو سکتا ہے جیسے آجکل سائنس کے انکشافات سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے دُنیا کی ہلاکت کے سامان اِس جنگ عظیم میں کر دیئے گئے۔ یہ جنگ خواہ ۱۹۱۴-۱۸ ؁ء کی تھی یا ۱۹۳۹-۴۵ ؁ء کی۔

مَیں نے ابھی بتایا ہے کہ اِس لفظ قرآن میں یہ عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ

قرآن کریم کو دُنیا کی کتابوں پر یہ فوقیت اور شرف حاصل ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ پڑھا جاویگا۔

دُنیا کی مذہبی کتابوں کی اِس وقت جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ توریت انجیل وغیرہ خود ان مذاہب کے ماننے والوں کے مسلّمات میں محرّف مبدّل ہیں۔ ویدوں کے متعلق خود ان کے ماننے والوں میں ابھی تک یہ فیصلہ ہی نہیں ہوا کہ وہ تین ہیں یا چار۔ اور نہ یہ فیصلہ ہوا کہ وہ کن لوگوں پر نازل ہوئے تھے۔ دُنیا کی تاریخ اِن رشیوں کے حالات سے بے خبر ہے۔ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے کہ جو اپنے نام میں محفوظ، پیشگوئی کے موافق

کثرت سے پڑھی جاتی ہے اور ہر وقت پڑھی جاتی ہے
اور اس کی زبان اس کے الفاظ محفوظ چلے آتے ہیں۔

اور اس عظیم الشان نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر واقعہ اور آپ کا اپنا کلام بھی محفوظ ہے۔ قرآن کریم کے نام کی اس عظمت اور حقیقت کا صرف اعتقادی رنگ میں ہی مَیں نے ذکر نہیں

کیا بلکہ واقعات کو پیش کیا ہے۔ اور یہی نہیں غیر مسلموں نے بلکہ خود یورپ کے رہنے والے منکروں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں لفظ قرآن پر جو مضمون لکھا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ:۔

Most widely read Book in existence.

یعنی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی کتاب ہے۔

قرآن مجید نے اپنے اسم قرآن کو جہاں جہاں بیان کیا ہے ان آیات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے، کہ قرآن کریم اپنی مختلف خصوصیات اور صفات اور اپنی تعلیمات اور ہدایات کے اثر اور انقلاب کو بھی عظیم الشان پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کرتا ہے اور اپنی صداقت کے دلائل کو صرف عقلی رنگ میں ہی نہیں بلکہ مشاہدات اور حقائق کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ میں ذیل میں اپنے اس دعوے کو حقائق کی روشنی میں پیش کرتا ہوں۔ اس مقصد کے لئے میں قرآن کریم کی آیات کو سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے پیش نہیں کروں گا بلکہ میرا مقصد اس سے قرآن مجید کے ان تمام مقامات کو جمع کر دینا ہے جن میں لفظ قرآن آیا ہے اور ان میں جن امور کا ذکر ہے۔

دنیا کے مدبر، مفکر، سائنس دان اور مؤرخ کسی بھی علم صحیح کے ماہر

غور اور فکر کی قوتوں کو کام میں لائیں تو قرآن مجید اپنی علمی حیثیت سے ، اپنی تعلیمی حیثیت سے ، اپنے اثر و نفوذ اور تاثیرات کے رنگ میں علوم جدیدہ اور سائنس کی بلند پروازیوں کے انکشافات میں کبھی اختلاف ظاہر نہیں کرے گا۔ بلکہ جس جس قدر حقائق الاشیاء ثابت ہوتے چلے جاویں گے قرآن کریم ایسے حقائق کے موافق ہوگا۔ کوئی مرحلہ ایسا نہیں آسکتا جہاں ثابت شدہ صداقتوں اور قرآن کریم کی پیش کردہ ہدایات میں تصادم واقع ہو۔

(۱) سورۃ نساء پارہ ۵ رکوع ۱۱ آیت ۸۳ میں فرمایا :۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○

ترجمہ :۔ پھر کیا قرآن کریم تدبر نہیں کرتے (غور کریں تو انہیں اس کی سچائی کی یہ دلیل سمجھ آجائے گی کہ) اگر قرآن کریم خدا تعالےٰ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا۔

اس آیت میں قرآن مجید کی صداقت کی ایک ناقابل تردید دلیل بیان کی گئی ہے۔ اور قرآن کریم کی صداقت کے دلائل معلوم کرنے کیلئے ایک گُر یا اصل تعلیم فرمایا اور وہ ہے قرآن کریم پر تدبر اور تفکر۔ قرآن کریم انسان کی غور و فکر کی قوتوں کو نشو و نما دیتا ہے اور اس لئے بار بار وہ کہتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ بلکہ عدم تدبر کی وجہ بتاتا ہے کہ اس سے قلوبِ انسانی پر ایک قسم کے قفل لگ جاتے ہیں

اور اگر قلوب پہ قفل نہ ہوں تو تدبّر و تفکّر کی قوتیں پرورش پاتی ہیں۔

اختلاف کثیر سے کیا مراد ہے؟

قرآن مجید یہاں اپنی صداقت کی ایک دلیل پیش کرتا ہے کہ منجانب اللہ ہونے کا یہ زبردست ثبوت ہے کہ

اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

منکرین قرآن کریم نے اپنی ناسمجھی اور کور باطنی کی وجہ سے اس دلیل کو توڑنے کے لئے قرآن کریم میں اختلاف پیدا کرنے کی بے سود کوششیں کیں کسی نے مختلف قرآت کو لے کر اختلاف بتانا چاہا اور کسی نے قرآن کریم کے قصص میں تاریخی اختلاف دکھانا چاہا۔ مگر یہ سب لغو باتیں ہیں قرآنِ مجید میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہیں اور میں اس کی تصریح آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف دور

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں اور حقائق کے علاوہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کر کے بتایا ہے کہ انسان اپنی زندگی کی مختلف حالتوں مثلاً مفلسی یا دولت مندی، تنہائی یا جماعت کے ساتھ، مخالفتِ اعداء یا موافقتِ احباب میں سے گذرتا ہے۔ اور اس طرح پر مختلف دور اُس پر گذرتے ہیں اور ان مختلف ادوار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی گذرنا پڑا۔ ایک وقت وہ یکّہ و تنہا تھے اور ایک قسم کی بیکسی

کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہ سید القوم تھے اور بادشاہِ وقت تھے۔ ایک وقت آیا کہ ابتداے دعوت میں مکہ والوں نے اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو سخت تکلیفیں دیں اور مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہ ہوا ہوتا تو تکالیف اور شدائد و مصائب کے ایام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے (نعوذ باللہ) مایوسی کا اظہار ہوتا۔ اور قوت و کامیابی کے حصول پر مختلف قسم کے جبر کے مظاہرات ہوتے۔ اور دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے سختی کی جاتی۔ یا آپ نعوذ باللہ تکبر و رعونت سے کام لیتے۔ مگر قرآن کریم پر تدبر کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ حالات اور ماحول نے کسی قسم کی تبدیلی آپ میں نہیں کی۔ آپ کی عملی زندگی اس طرح پر چلتی رہی اور ہر حالت نے آپ کو ایک کوہِ وقار، اولوالعزم، نافع الناس اور رحمۃ للعالمین ثابت کیا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ قرآن مجید کی

صداقت اور منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔

مزید حقیقت عدم اختلاف اب میں اس کی کسی قدر تفصیل بیان کرتا ہوں کہ قرآن مجید میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ پایا جانا اس کے

منجانب اللہ ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ قرآن مجید کی یہ آیت قرآن مجید کی حقیت، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور بالآخر اسلام کے دین اللہ ہونے پر ایک ایسی دلیل ہے کہ کوئی سائنس (علوم صحیحہ) اور کوئی صحیح مشاہدہ اور صحیح تجربہ اسکو نہیں توڑ سکتا۔ اور عقل صحیح کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

اس میں قرآن مجید کی حقیت یا یوں کہو کہ ماموریں و مرسلین کے منجانب اللہ ہونے کی یہ زبردست دلیل ہے کہ اس میں اختلاف کثیر نہیں۔ اس آیت سے اتنا تو پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات ان امور سماوی میں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں بظاہر کوئی اختلاف نظر نہیں آسکتا گو فی الواقعہ وہ اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ یہاں لَوَجَدُوْا کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ اختلاف کو پاتے۔ ایسے اختلافات انسان کی اپنی عقل اور فہم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ آیت تحدّی کے رنگ میں پیش کی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنے اس دعوے میں کہاں تک سچا ہے۔ قرآن کریم اس معیار پر ایسا پورا اُترتا ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اوّل:۔ قرآن کریم کی تعلیم کو ہم لیتے ہیں۔ اس میں کوئی حکم ایسا نہیں جو کسی حکم کے خلاف اور نقیض واقع ہوا ہو۔ اور پھر نہ صرف یہ بلکہ دُنیا کی کسی کتاب، دُنیا کے کسی ہادی کے ملفوظات میں کوئی ایسی صداقت اور ایسی ہدایت نہیں جو قرآن کریم کی ہدایت کے خلاف ہو۔ کیونکہ قرآن مجید نے تو

پہلے ہی دعویٰ کیا ہے فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اور اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔ یہ تو قرآن کریم کی عام تعلیمی حالت ہے۔ اس میں باہم اختلاف تو درکنار وہ دُنیا بھر کی ہدایتوں اور تعلیماتِ حقّہ کے ساتھ ہی اختلاف نہیں کرتا بلکہ ان کا جامع ہے کسی قوم اور کسی مُلک میں کسی کتاب اور ملفوظات میں کوئی تعلیم اور ہدایت جو انسان کی بھلائی کے لئے ہو پیش کرو جو قرآن مجید میں نہ ہو۔

دوم:۔ قرآن مجید عملی پہلو میں بھی اختلاف نہیں رکھتا قرآن مجید نے دعویٰ کیا ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی چیز کی تعریف کرے اور وہ تعریف عملی رنگ میں محض ہیچ ہو۔ مگر قرآن مجید نے اپنے اس دعوے کو واقعات سے صحیح ثابت کیا۔ جس قوم نے اس پر عمل کیا ان کے لئے وہ شفاء، نور اور ہدایت ثابت ہوا یا نہیں؟ یہ تاریخی واقعہ ہے اور اسے عرب کی کایا پلٹ تاریخ بھول نہیں سکتی۔ اور نہ صرف عرب کی تاریخ بلکہ تمام تاریخِ عالم کے اوراق اِس صداقت کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور پھر یہاں تک ہی نہیں ہر زمانے میں ایسے لوگوں کا وجود دُنیا میں ہوتا ہے جو قرآن مجید کی عملی تاثیرات کا پھل ہوتے ہیں۔ اور وہ نمونہ ہوتے ہیں قرآن مجید کی زندہ تاثیروں کا۔

سوم:۔ سائنس اور علومِ حقّہ صحیحہ جس قدر بھی چاہیں ترقی کریں

قرآن کریم ان صداقتوں کے خلاف نہیں ہو سکتا اور نہیں ہے۔ اِس وقت تک جس قدر صداقتیں سائنس کی ظاہر ہوئی ہیں قرآن مجید انہیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ حصّہ اس مضمون کا بہت طویل ہے۔ مثال کے طور پر صرف ایک بات لکھ دی جاتی ہے کہ آج علم بوٹونی کے ماہرین نے بڑی جدو جہد سے دریافت کیا کہ درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ مگر قرآن مجید آج سے تیرہ سو سال پہلے کہہ چکا ہے کہ وَارْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ اور اَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ۔ قرآن مجید میں یہ مضمون بہت جگہ بڑی وضاحت سے آیا ہے۔ اور پہلی آیت جو یہاں لکھی ہے اس میں علم ہوا کے متعلق بہت کچھ اسرار رکھ دیئے ہیں۔ اسی طرح پر سائنس جوں جوں بلند پروازی کریگا اسی قدر قرآن کریم اپنی صداقت میں اس کے ساتھ مطابقت کھائیگا۔

چہارم:۔ قرآن کریم کا نزول ۲۳ سال میں ہؤا ہے اور اس عرصہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مختلف حالتوں میں سے گذرتے ہیں۔ ابتدائی حصّہ آپؐ کی زندگی کا مکّہ معظمہ میں نہایت عسر اور مشکلات میں گذرا ہے۔ مکّی آیتوں اور سورتوں کو پڑھو۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت میں کوئی کمزوری اور اپنے دعوے کے اظہار میں کسی قسم کی مداہنت پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ پوری شوکت اور قوت سے آپؐ نے تبلیغ کی ہے اور اس جرأت اور استقلال کے ساتھ اپنے دعوے کو بیان کیا کہ اس میں ذرّہ بھر تزلزل نہیں ہؤا بلکہ

مکّی آیتوں میں وہ قوت اور طاقت ہے کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی اس لئے کہ وہ علمه شدید القویٰ کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

مکہ والوں کی محبوب چیز بُت پرستی اور شرک تھا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ وَاحِداً لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کی تعلیم دی اور انہیں کھول کر بتایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝ عربوں جیسی حساس قوم کو ان کی محبوب اور مرغوب شئے بُت پرستی کی شناعت سُنانا اور انہیں شرک کرنے میں مفتری قرار دینا معمولی بات نہیں بلکہ اس قوم کو بھڑکا دینے کے لئے یہ زبردست تحریک تھی۔ ایک شخص اپنے جتھے اور جمعیت پر اعتماد کرکے ممکن ہے اپنے مخالفوں کے خلاف زبان کھولے مگر بے کسی کی حالت میں انہیں شرک کی برائیوں سے آگاہ کرنا اور شرک کے خطرناک نتائج سے ڈرانا یہ ایسی بات ہے جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ بلند کو روشن کر دیا ہے۔

پھر بُت پرست اور مشرک قوم عجائب پسند ہوتی ہے اور وہ ایسے آدمیوں کی طرف رجوع کرسکتی ہے جو انہیں غیب کی باتیں (اس سے مراد رمالوں اور فال بینوں کے غیب ہیں) بتائے یا انہیں مال و دولت کی تحریص دلاسکے کسی عمل یا وظیفہ سے وہ خزائنِ دُنیا جمع کرلیں اور یا

انہیں ایسی راہ بتائے جو شرک کا شعبہ ہو یعنے اوتار وغیرہ کی تعلیم دے۔ اس حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اِن امیدوں کو بھی خاک میں ملا دیا۔ یہ کہہ کر کہ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ۔ غرض اہلِ مکہ کی محبوب شے جو ان کو جان و مال سے بھی زیادہ عزیز تھی شرک کی تردید کی اور بڑے زور شور سے کی۔ اور ان کی باطل امیدوں کو جو تحریص کا موجب ہوں خاک میں ملا دیا۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جنگ کرنا پڑا ہے۔ اور جنگ کا موقع ایسا ہوتا ہے جہاں انسانی جذبات اور نفسانی قوتوں میں ایک ایک اشتعال اور ہیجان ہوتا ہے اور انسان تمیز نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کرتا ہے مگر اس موقع پر بھی لَا تَعْتَدُوْا کی تعلیم دینے والا کامل انسان اپنی قوتوں پر کامل حکومت رکھتا ہے اور نہ اپنی قوتوں پر بلکہ جس قوم کو اُس نے اپنی پاک صحبت سے پاک کیا ہے انہیں بھی اِس قابل کر دیا ہے کہ باوجودیکہ وہ اپنے ان دشمنوں سے لڑ رہے ہیں جنہوں نے انہیں وطن سے نکالا اور سخت اذیتیں دیں وہ بھی ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

پنجم:۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مختلف قوموں اور مختلف مذاہب سے واسطہ پڑا ہے کسی ایک کے سامنے آپ نہیں دبے اور نہ عسر نے آپ کے حیات کو پست کیا اور نہ یسر نے، بلکہ سلطنت اور

حکومت نے بھی آپؐ کو اعتدال سے باہر نہ نکالا۔ بلکہ آپؐ تمام حالتوں میں ایک ہی طرزِ زندگی رکھتے رہے۔ اور قرآن کریم ان دونوں حالتوں میں بھی ایک ہی شان رکھتا ہے۔ اس کے طرزِ بیان اور اسلوب میں کہیں فرق نہیں آتا۔ مکہ کی حالتِ بے کسی میں بھی اہلِ مکہ کی بُت پرستی پر اُنہیں تنبیہہ کرتے رہے اور اس کے بُرے نتائج سے ڈراتے رہے اور مدینہ طیبہ میں آپؐ کے مشکلات اور بھی بڑھ گئے تھے۔ مدینہ میں مختلف قومیں یہود اور نصاریٰ وغیرہ آباد تھیں۔ ان تمام قوموں کے ساتھ معاہدات اور معاملات تھے۔ اور باوجودیکہ ان قوموں کے تعلقات ایک طرف ایران سے دوسری طرف رومۃ الکبریٰ کی سلطنتوں سے تھے مگر آپؐ نے ایک دن بھی گوارا نہیں کیا کہ ان کے غلط عقائد پر اُنہیں آگاہ نہ کریں۔ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث وکفارہ اور الوہیت و ابنیت کی تردید کی اور یہودیوں کو انکی بد اخلاقیوں اور عملی اور اعتقادی کمزوریوں پر تنبیہہ کی۔ اس طرح یہ آپؐ نے زندگی کے ہر نشیب و فراز میں اپنی حالت کو نہیں بدلا اور اس میں اختلاف واقع نہیں ہوا۔

ششم:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کے لئے منہاجِ نبوت پر پیشگوئیاں کی ہیں۔ وہ پیشگوئیاں منہاجِ نبوت کے اصول پر پوری ہوتی ہیں اور رمّالوں کی پیشگوئیوں کی طرح کثرت سے پوری ہوتی ہیں۔ بعض اگر دوسرے وقت پر ملتوی ہوتی ہیں۔ تو یہ اختلاف کے نیچے نہیں آتی ہیں کیونکہ ان کے لئے بھی قرآن مجید پہلے

سے بتا دیتا ہے کہ اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔

ہفتم :- قرآن مجید میں کچھ اسباب حصول لکھ کر بتاتے ہیں اور کچھ افعال یا اعمال دکھوں سے بچنے کے ہیں یا اوامر اور نواہی ہیں۔ اور امر کے نتائج اور نہی کے نتائج بھی بتاتے۔ اب جن لوگوں نے اس تعلیم پر عمل کیا انہوں نے وہی نتائج دیکھے۔ اختلاف تب ہوتا ہے کہ وہ نتائج صحیح نہ ہوتے یعنی کامیابی کے اصولوں پر عمل کرنے سے ناکامی اور ناکامی کی راہوں پر عمل کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی۔

ہشتم :- قرآن مجید دنیا کے کسی حصہ اور طبقہ میں اگر ناقابل عمل ہوتا یعنی اگر اس کی تعلیم ایسی ہوتی کہ کسی ملک اور قوم کے تو حسب حال ہوتی لیکن دوسروں کے نہ ہوتی تو پھر بھی یہ اختلاف ہوتا۔ مگر نہیں قرآن مجید ہر زمانہ اور ہر ملک میں یکساں عالمگیر تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے کہ وہ کل دنیا کے لئے اور ابد الآباد کے لئے آیا ہے۔

نہم :- تاریخ صحیح کا بھی وہ مخالف نہیں ہے۔

دہم :- اصول و ارکان اسلام ایسے محکم اور مضبوط بتائے کہ کبھی کوئی اسلامی فرقہ ان میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ وتلك عشرة كاملة - یہ ایک زبردست دلیل ہے قرآن مجید کی صداقت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی۔ مخالفین اسلام غور کریں۔

(۳) سورة بقره پاره ۲۔ رکوع ۲۳۔ آیت ۱۸۶ میں فرمایا:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى
لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

ترجمہ:۔ رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن نازل ہوا (قرآن کیا ہے؟) لوگوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اور (جو تعلیم و ہدایت وہ پیش کرتا ہے اس کے) دلائل پیش کرتا ہے اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔

قرآن مجید کا دائرۂ دعوت

اس آیت میں قرآن مجید کے دائرۂ دعوت اور اس دعوت و ہدایت کے دلائل اور نتائج سب کو جمع کر دیا ہے۔ قرآن مجید سے پہلے جس قدر کتب اور صحائف الہامی تھے ان کی دعوت ایک قوم ایک ملک یا قریہ کے لئے مخصوص تھی۔ مگر قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ وہ انسان کا ہدایت نامہ یا دستور العمل ہے۔ جس طرح پر خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دائرۂ دعوت نسلِ انسانی پر کھینچا گیا ہے اسی رنگ میں قرآن کریم کو نسلِ انسانی کا دستور العمل قرار دیا گیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کی وسعت کے لئے فرمایا یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ اور کبھی فرمایا مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اسی طرح قرآن کریم کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا اور جس کی صداقت واقعات سے ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ ہر قوم کے لئے رہنما ہے۔

قرآن مجید اور رمضان کا ذکر

یہاں قرآن کریم کے نزول اور رمضان کے ذکر کو یکجا کیا ہے۔ اس میں سِرّ یہ ہے کہ رمضان بجائے خود انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ایک انقلاب پیدا کرتا ہے اور قرآن کریم بھی ایک انقلابِ عظیم کی روح لے کر آیا ہے۔ چونکہ قرآن کریم اور رمضان دونوں ایک انقلاب کے موجب ہیں ان کا ذکر یکجائی طور پر کر دیا گیا ہے۔

علاوہ بریں روزہ کی موجودہ صورت: اس کے قواعد و ضوابط قرآن کریم کے ذریعہ وضع کیے گئے ہیں اور ان قواعد پر عمل درآمد اس انقلاب کا باعث ہوتا ہے جو روزہ کے ذریعہ تقویٰ و طہارت تعلق باللہ کے رنگ میں پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے افراد کے اندر اور افراد کے مجموعہ اقوام کے اندر جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ لانظیر ہے۔ جس طرح یہ خود قرآن کریم اپنی تعلیم، اسلوبِ بیان اور تکمیلِ ہدایت میں لاجواب ہے اسی طرح اس کا پیدا کیا ہوا انقلاب اُمم و اقوام کی تاریخ میں مثال نہیں رکھتا۔ قرآن کریم نے مختلف اقوام و ممالک کے عقاید، طریقِ عبادات، خیالات، رسم و رواج، تمدن و معاشرت غرض ان کی زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی کر دی اور ان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اور وہ مختلف شعوب و قبائل ایک قوم بلکہ ایک خاندان کے حکم میں داخل ہو گئے۔ یہ انقلاب اتنا حیرت انگیز ہے کہ انسانی عقل و فکر اس کی مثال نہیں پیش کر سکتا۔ یہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔

پھر قرآن کریم اور رمضان کے ذکر کو ایک جگہ بیان کرنے سے یا قرآن مجید کے نزول کو رمضان سے نسبت دینے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف پر لے جانے اور اس کی ہدایات کے موافق عملی زندگی کو ڈھالنے کے لئے ایک روزہ کی ضرورت ہے یعنے وہ پاک زندگی (جو حقیقی روزہ کی رُوح ہے) انسانی روزمرہ میں داخل ہو جاوے یا یوں کہو کہ قرآن کریم پر صحیح عمل انسان کو صائم الدہر بنا دیتا ہے۔

ایک نکتۂ معرفت

روزہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ اپنے جذبات اور خواہشات پر حکومت کرنا اور ضبط رکھنا۔ اور یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر اخلاقیات کا دائرہ کھینچا گیا ہے۔ اور اسی سے وہ چیز پیدا ہوتی ہے جسے ہم نیکی کہتے ہیں۔ اور نیکی ہمیشہ وہ ہوتی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہو وہ ایک وسطی مقام ہوتا ہے اس لئے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر الامور اوسطہا اور قرآن کریم نے اس امت کو اُمَّۃً وَّسَطًا کہا۔

یہ مضمون بہت وسیع ہے مجھے صرف کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اس ضمنی ذکر میں اشارہ مقصود ہے۔

قرآن ہدایت نامہ ہے

قرآن کریم کے نزول کے ذکر کے ساتھ قرآن مجید کے مقصدِ دعوت کو بیان فرمایا کہ وہ نسلِ انسانی کا ہدایت نامہ ہے۔ اتنا ہی نہیں جو تعلیم وہ پیش کرتا ہے اس تعلیم کے صحیح، مفید اور مؤثر ہونے کے دلائل بھی پیش کرتا ہے اور اس تعلیم پر

عمل کرنے کے ثمرات خود ایک فرقان پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک عامل بالقرآن اور منکر بالقرآن کے درمیان ایک امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے جس قوم کو پیدا کیا ان کی عملی زندگی کے ممتاز کارنامے اور نمونے آج بھی شمع ہدایت کا کام دیتے ہیں۔ قرآن کریم کے مقاصد اور ثمرات کو مختصراً بیان کرنے کے بعد آؤ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر نظر کریں جہاں یہ نام آیا ہے۔ اور اسے میں ایسے رنگ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ترتیب سلسلہ ہو۔

(۱) قرآن مجید پڑھنے سے پہلے استعاذہ کرو۔

(۳) تیسری آیت جس میں قرآن نام کا ذکر کیا ہے ہے:۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (۹۸)

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (۹۹)

إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُمْ مُشْرِكُوْنَ ۝ (۱۰۰)

(اے مخاطب!) جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود کے دباؤں سے حفاظت کے لئے اللہ کی پناہ مانگو۔ (۹۸)

(یہ حقیقت ہے) کہ شیطان کا تسلط ان لوگوں پہ کبھی نہیں ہوتا جو مومن ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (۹۹)

شیطان اُن لوگوں پر تسلط پاتا ہے جو اُسے اپنا رفیق بنا لیتے ہیں اور جو اُس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

آدابِ تلاوتِ قرآن

قرآن کریم کی تلاوت کے آداب میں پہلی بات یہ فرمائی کہ قرآن پڑھنے سے پہلے استعاذہ کرنا چاہیئے۔ اور وہ اسی آیت ۹۸ میں بتا دیا ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

یہ بھی ایک بحث استعاذہ کرنے کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے کیا جاوے یا بعد میں اِس قسم کی بحثوں کو غیر ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اِن میں تزکیۂ نفس کو کیا تعلق ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تو یہ ثابت ہے کہ آپ جب قرآن شریف پڑھتے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہکر شروع فرماتے۔ اور اگر کوئی شخص تلاوت کے بعد پڑھتا ہے تو اس کو کس نے منع کیا ہے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت پر عمل کرنے کے لئے پہلے پڑھ لے۔ اور بعد میں بھی چاہے تو پڑھ لے مگر اس قسم کی بحثیں غیر ضروری ہیں۔

ان تینوں آیات میں اور بعد کی ۳ آیات تک قرآن کریم کا ہی ذکر ہے کہ وہ کسی مفتری کا کلام نہیں۔ رُوح القدس نے اسے نازل کیا ہے۔ وہ الحق ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل مومنوں کے قلوب میں ثبات اور استحکام پیدا کرتا ہے۔ اور وہ ہدایت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے۔ اور اس قرآن کریم کی زبان عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ہے۔

وہ اپنی تعلیمات کو نہایت وضاحت اور خوبی سے بیان کرتا ہے۔

(۴) جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو

(۴) چوتھی آیت جس میں قرآن کا نام آیا ہے سورۃ اعراف رکوع ۲۴۔

آیت ۲۰۵ ہے۔ فرمایا:۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اُسے (توجہ سے) سنو اور

خاموش رہو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ تم پر رحم کیا جاوے گا۔

قرآن کریم سے استفادہ کرنیکا طریق

اِس آیت سے پہلے آیت نمبر ۲۰۴ میں قرآن کریم کا نام بصائر، ھدًی، رحمۃً بیان کیا ہے اور پھر قرآن کریم سے استفادہ کرنیکا طریق بتایا:۔

(۱) قرآن کریم کو کامل توجہ سے سنو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ پڑھنے والے توجہ نہ کریں، بلکہ وہ بھی غور و فکر کرتے جائیں۔ اس لئے دوسرے مقامات پر تدبر کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ توجہ کامل پیدا کرنے کے لئے خاموشی بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سکوت کامل اختیار کرو۔

(۲) قاری کے آداب میں پہلی بات یہ بتائی تھی کہ استعاذہ کرو۔ اور یہاں سامع کے لئے بتایا کہ وہ خاموشی اور کامل توجہ سے سنے قرآن مجید کی تلاوت جب کوئی کر رہا ہو۔ یا درس دے رہا ہو اُس وقت سامعین کا فرض

ہے کہ وہ کامل خاموشی اور کامل توجہ سے سُنیں۔ یہ طریق عمل ان کے لئے موجب رحمت ہوگا؟ اس لئے خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کو خود رحمت فرمایا۔ اور جب انسان توجہ سے سُنے گا تو اُسے عمل کی توفیق ملے گی۔ اور اس کا رحمت الٰہی کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔

شور و غل کفّار کا کام ہے

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت شور و غل کفار کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورہ حٰم سجدہ رکوع ۴۔ آیت ۲۷ میں فرمایا؛

(۴) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو۔ اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور مچاؤ تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔

قرآن مجید کو نہ سُننا اور شور مچانا یہ کفار کا فعل ہے۔ کفار اس سے غلبہ چاہتے تھے اور غلبہ کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ برخلاف اس کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ تم خاموشی سے سنو یہ تمہارے لئے باعث رحم اور موجب کامیابی ہوگا۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ قرآن مجید کو توجہ سے سُننے والے کامیاب اور شور مچانے والے مغلوب ہو گئے۔

اس خصوص میں قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اس ہدایت پر عمل کرنے سے قبول حق کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔ اور مشاہدہ اور تجربہ بھی بتاتا ہے کہ جب ایک شخص توجہ سے کسی بات کو سُنتا

ہے تو اس پر غور کرنے کا بھی موقعہ ملتا ہے اور غور اور فکر کی قوتیں اس طرح پرنشو و نما پاتی ہیں۔ قرآن مجید بار بار فکری قوتوں کے بڑھانے پر زور دیتا ہے اور اس کا یہ ایک طریق ہے۔

(۶) سورۃ احقاف کے آخری رکوع میں فرمایا:۔

وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝ ..... الخ

یعنی جب ہم جنوں کی ایک جماعت تیری طرف لے آئے کہ وہ قرآن سُنیں پس جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ پس جب قرآن کی تلاوت ختم ہوئی تو وہ اپنی قوم کی طرف نذیر ہو کر گئے۔ اور اپنی قوم کو کہا کہ اے قوم! ہم نے اس کتاب کو سُنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور وہ تمام پہلی صداقتوں کی مصدق ہے۔ وہ کتاب حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور صراطِ مستقیم دکھاتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاموشی سے سُنکر انہوں نے نہ صرف خود قبولِ حق کیا بلکہ وہ بجائے خود نذیر ہو کر اپنی قوم کی طرف گئے۔ اور قرآن مجید کی صفات اور اثرات کو بیان کیا۔ گویا ان میں اس قدر قوت اور جرأت پیدا ہو گئی کہ وہ دوسروں کے لئے مبلغ بن گئے۔

یہ بھی قرآن کریم کی تاثیرات کا ایک کرشمہ ہے کہ وہ ایک خارق عادت

قوت مومن بالقرآن کو عطا کرتا ہے۔ اور قرآن کریم کے ان اعجازات پر صحابہؓ کی تاریخ گواہ ہے کہ جب انہوں نے قرآن کریم کو قبول کیا تو دُنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے قلوب میں بشاشتِ ایمانی اور دماغی صلاحیتوں میں غیر معمولی قوت پیدا کردی۔

(۷) سورۃ جن کی ابتدائی آیات میں بھی اس کی صراحت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۝

کہدو میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن کریم کو) سُنا تو انہوں نے اپنی قوم کو کہا ہم نے عجیب قرآن سُنا ہے۔ وہ بھلائی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

اس میں بھی قرآن کریم کے صفات کو اور اس کی تاثیرات کا ذکر فرمایا۔

جنّات کی حقیقت

اگرچہ اس کتاب کے موضوع کے زیرِنظر جنّات کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہو

لیکن چونکہ نفس موضوع کتاب کے سلسلہ میں یہ ایک ضروری مسئلہ آگیا ہے، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی روشنی میں اس مخلوق کے متعلق کچھ بیان کر دیا جاوے۔

جنوں کے متعلق کہ وہ ایک مخلوق ہے عام عقیدہ ہے جو تمام قوموں میں پایا جاتا ہے خواہ ان کے نام کچھ اور ہوں ان کے اعمال کے متعلق ملتے جلتے ایک ہی قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی عام عقیدہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک غیر مرئی مخلوق ہے۔

قرآن کریم نے بھی اس مخلوق کا ذکر کیا ہے اور مختلف مقامات پر انکے احوال کا بھی بیان ہے۔ اور مستقل طور پر ایک سورۃ جنّ کے نام سے ہی موسوم ہے۔ جنوں کے متعلق عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہیں۔ اور جھاڑ پھونک کرنے والے لوگوں کی ایک جماعت بھی موجود ہے جو جنوں کو قابو کرنے کے عملیات کا دعویٰ کرتے ہیں اور جہلا ان پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ مگر قرآن کریم اس قسم کے اعمال (جو یہ لوگ ان سے منسوب کرتے ہیں) کی تصدیق نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سارا کرشمہ جہالت کا ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اب میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے قرآن مجید کی روشنی میں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

جنّ کی لغوی حقیقت جنّ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور عربی لغت

میں جن کے معنوں میں ڈھانپنے کا مفہوم لازمی ہے۔ خود قرآن کریم اس مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ۔ رات کی تاریکی نے اسے ڈھانپ لیا۔ اسی وجہ سے بچہ جو رحمِ مادر میں ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں۔ اور وہ دماغی امراض جنون کہلاتی ہیں جن میں توازنِ عقل درست نہیں رہتا۔ گویا عقلی قویٰ کو ڈھانپ دیا جاتا ہے اور تمیز جو عقل کا کام ہے جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح ڈھال کو عربی زبان میں جُنّۃ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ تلوار یا تیر کے حملہ کو روک لیتی ہے۔ غرض یہ لفظ اپنے معنوں کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔

عربوں اور دوسری اقوام کے محاورہ میں یہ لفظ اُن اقوام پر بھی بولا جاتا ہے جو شمالی علاقوں اور سرد ممالک میں رہتی تھیں۔ چونکہ نہ تو وہ ادھر آتے اور نہ یہاں کے لوگ اُدھر جاتے۔ وہ گویا مخفی تھے۔ اس لئے ان کو ایک نرالی قسم کی مخلوق سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل

احادیث کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے مفہوم میں وہ مضر ذرات یا باریک جاندار بھی داخل ہیں جن کو موجودہ عہدِ سائنس میں جراثیم (جرثومہ) کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی مخلوق ہوتی ہے جو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آتی۔ آج ہر ایک قسم کی بیماریوں کے جراثیم تجویز کئے گئے ہیں۔ اور جس راستے سے یہ داخل ہوتے ہیں ان کے انسداد کے مختلف طرق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے اسلامی اعمال زندگی میں بتلائے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے وضو کی ہدایات میں
فرمایا کہ ناک کو اچھی طرح صاف کیا جاوے تاکہ جو شیاطین جن ناک میں
جمع ہو گئے ہیں وہ نکل جائیں۔ اُس زمانہ میں جبکہ دُنیا میں جہالت چھائی ہوئی
تھی اور اِس قسم کی تحقیقاتیں بھی نہ ہوئی تھیں آپؐ کا یہ ارشاد اِس عہدِ
انکشافات میں آپؐ کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔

آج بھی سائنس ناک کے ذریعہ داخل ہونے والے جراثیم پر بڑی
طویل بحثیں کرتی ہے اور اس کے انسداد کے لئے مختلف طریقے تجویز
کرتی ہے۔ مگر حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا اس کی تہ میں صحت کا زرّیں
نسخہ ہے۔

ایسا ہی آپؐ نے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا اور
فرمایا کہ ہڈی جنّوں کی خوراک ہے۔ اِس میں بھی یہ سِرّ تھا کہ مختلف قسم کے جراثیم
ان میں پرورش پاتے ہیں۔ اس لیے ان سے احتراز کرنے کا یہ بہترین
طریق ہے۔

غرض قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں جنّ کا لفظ ایک مخلوق
پر بولا گیا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جنّ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ انسانوں
ہی کی ایک نوع پر زیادہ تر بولا گیا ہے۔ میں ان کے اعمال کے لحاظ سے مختصراً
بتاتا ہوں کہ وہ انسان ہی تھے۔

(۱) قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب
اللہ تعالےٰ نے اپنا خلیفہ بنایا تو اُس وقت زمین میں ایک مخلوق انسانی

آدم کا جن مخلوق [illegible] نہیں ہو سکتا - اس کی وجہ [illegible] آدم تھا - اس کے [illegible]
نار آگ سے بنایا ہے آدم کو مٹی طین سے بنایا ہے

موجود تھی۔ آدمؑ کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل جس نے نہ کی وہ ابلیس تھا اور اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ وہ جن تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اس قوم میں رئیس تھا جنہوں نے آدمؑ کے ذریعہ قائم شدہ نظام کی بغاوت کی۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور جو جن قرآن کریم سننے کے لئے آئے اور انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا اور نہ صرف خود قبول کیا بلکہ اپنی قوم کو جا کر تبلیغ کی اور بتایا کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جو موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھے اور احادیث سے اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔ یہ جنوں کی وہ جماعت ہے جو مسلمان ہو گئی۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جنوں نے جو کام کئے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کام کرنے والے انسان ہی تھے۔ چنانچہ سورۃ سبا رکوع ۲- آیت ۸ میں ہے :-

يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ

یعنی وہ جن حضرت سلیمان کے لئے دربار کا کمرہ، مسجد کا محراب اور مجلس بناتے تھے اور مجسمے اور بڑے بڑے حوض جو کنوؤں کی طرح گہرے تھے اور بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے تھے۔ یہ کوئی غیر انسانی مخلوق نہ تھی بلکہ غیر اسرائیلی لوگ تھے جو حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے ماتحت تھے۔ چونکہ غیر قوم اور

غیر مذہب کے لوگ تھے قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ بھی جن کہلاتے۔
اور یہ امر کہ وہ واقعی انسان اور غیر اسرائیلی لوگ تھے توریت سے ثابت ہے۔ مجموعہ تورات میں تاریخ ۲ کے باب ۲-آیت ۷ میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جب بڑی عبادتگاہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو صور کے بادشاہ کو خط لکھا کہ "اپنے انجنیئروں میں سے ایک سو انجنیئر بھجواؤ جو سونے اور چاندی اور پیتل اور لوہے اور ارغوانی اور قرمزی اور آسمانی رنگوں کے کام بنانے میں ہوشیار اور نقاشی میں دانشمند ہوں۔"
آگے ان کاموں کی تصریح ہے اور کام کرنے والوں کی جمعیت کے اعداد و شمار کا ذکر ہے۔ غرض یہ وہ لوگ تھے جو غیر اسرائیلی اور غیر مذہب کے تھے۔ اور قرآن کریم کی اصطلاح میں ان پر بھی جنّ کا لفظ بولا گیا ہے۔

غرض

قرآن کریم جنّوں کی کوئی ایسی نوع تجویز نہیں کرتا جو انسان نہ ہوں۔ اس مضمون پر تفصیلی بحث حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی تفسیر کبیر میں کی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ وسعتِ علم کے لئے اسے پڑھا جائے۔

(۸) سورۃ بنی اسرائیل رکوع اوّل آیت ۹،۱۰ میں فرمایا:-
(آیت نمبر ۸) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ

(آیت نمبر۹) وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

ترجمہ:- یقیناً یہ قرآن سب سے زیادہ ہدی اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مومنین کے لئے جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر کبیر ہے۔

اور یقیناً جو لوگ عاقبت نا اندیش ہیں یعنے مومن بالآخرۃ نہیں ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ان ہردو آیات میں قرآن مجید کی جامع صفات کا تذکرہ نہایت بلیغ اور سریع الفہم طریق پر کیا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر مشغلہ میں قرآن کریم کی رہنمائی خیر و سعادت کی طرف ہوگی اور ایسے طریق پر جو نہایت سہل اور تسلی بخش ہو۔ اَقْوَمُ۔ جو ہر طرح کے پیچ و خم سے پاک ہو اس میں کسی قسم کی کجی اور شکوک پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو۔ قرآن کریم اسی حقیقت کو کبھی صراط مستقیم کے نام سے کبھی دین القیم کے نام سے اور کبھی دین الفطرت کے نام سے بھی موسوم کرتا ہے۔ پھر اس جگہ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو نہایت ہی آسان طریق پر سمجھایا ہے کہ اعمال انسانی اور اس کے ثمرات یا عمل اور نتیجہ کے فلسفہ کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو مختلف طریقوں سے ذہن نشین کیا ہے۔ یوم الآخرۃ کے مفہوم میں اسی امر کو ذہن نشین کرنا کہ اعمال کے نتائج اور ثمرات لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں۔ ہر عمل اپنے ساتھ اسکے

نتیجہ کو لاتا ہے اور وہ اس سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے اپنے مقاصد کے بیان میں اولاً بتایا کہ وہ اس راہ کی رہنمائی کرتا ہے جو ہر قسم کے کجی اور ضرر سے پاک ہے اور جو تعلیم وہ لے کر آیا ہے ہر رنگ میں صحیح نتیجہ خیز اور مضبوط ہے۔ اور ثانیاً بتایا کہ اس تعلیم پر عمل کرنے والوں کے لئے بشارت ہے کہ وہ اجر کبیر کے مستحق ہوں گے۔ جو بڑے سے بڑا اجر خیال یا وہم میں آسکتا ہے۔ یہ اجر ہر رنگ میں عظیم الشان ہوگا۔ وہ مادی رنگ میں بھی اور روحانی رنگ میں بھی۔ اور تاریخی شہادت اس صداقت کی گواہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تزکیہ نے قرآن کریم پر عمل کرنے والی جماعت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اور قرآن کریم کی صداقتوں اور ہدایتوں پر عمل کرنے کا نتیجہ بھی ظاہر ہے۔ مَیں اس کے لئے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اسلام کے قرون اولیٰ میں صحابہؓ اور آپؐ کے متبعین نے کیا کچھ حاصل کیا اور آج مسلمان اسے ترک کر کے کہاں پہنچے ہیں؟

سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۹ آیت ۸۳ میں فرمایا:۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا

اور جو کچھ بھی ہم نے قرآن مجید میں نازل کیا ہے وہ تو مومنین کے لئے ہر قسم کے دکھوں اور آرزوؤں کے لئے ذریعۂ شفا ہے اور رحمت ہے اور جو قرآن کریم کا عمداً یا اعتقاداً انکار کرتے ہیں انکی شقاوت اور انکا انکار ان کی تباہی کا ذریعہ ہی ہونگے۔

نے اسے متعدد مرتبہ اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور قرآن کریم مختلف پیرایوں میں اس امر کو پیش کرتا ہے جو عمل اور نتیجہ کا مسئلہ ہے۔ اس حقیقت کو جب تک مسلمانوں نے سمجھا اور اس پر عمل کیا قرآن کریم کے وہ تمام وعدے جو اُس نے مومنین صالحین کے ساتھ کئے تھے پورے ہوتے اور جب انہوں نے اس رُوح کو ترک کر دیا وہ خود ہی موردِ غضب ہو گئے ونعم ما قیل ہے

تم تو دہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے
اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے

شِفَآءٌ اور رَحْمَۃٌ قرآن کریم کے نام ہیں

اُوپر کی آیت میں قرآن مجید کا نام شفاء اور رحمۃ بیان کیا ہے یا یوں کہو کہ قرآن مجید انسان کی اخلاقی اور رُوحانی امراض کے لئے ایک نسخہ شفا ہے اور اس پر عمل انسان کو خدا تعالےٰ کی رحمت کا مورد بنا دیتا ہے اور خدا تعالےٰ کی صفتِ رحیمیت کی تجلی سے وہ استفادہ کرتا ہے اس سلسلہ میں قرآن مجید کی اُن آیات کو یہاں جمع کر دینا چاہتا ہوں جہاں قرآن مجید کی اِن صفات کا ذکر فرمایا۔

(۱) سورہ یونس پارہ ۱۱ رکوع ۶ آیت ۵۸ میں فرمایا:۔

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ۬ وَهُدًى وَّ

رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ:- اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (ایک ایسی کامل کتاب) آگئی ہے جو سراسر موعظت ہے اور سراسر شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان کے لئے جو مومن ہیں۔ (یہاں چار صفات بیان کئے ہیں۔

(۱) موعظہ اس تذکیر کو کہتے ہیں جو دل کو نرم کردے اور اخلاص سے کہا جاوے۔ جس کے سننے سے نیکی کی طرف توجہ اور بدی سے احتراز کی قوتیں نشو و نما پائیں۔

قرآن کریم کو موعظہ کہکر اس کے اسلوب بیان اور طریقِ تذکیر کا ذکر کیا۔ قرآن کریم انسان کے اندر نیکی کی قوتوں کو نشو و نما دینے اور جذبات کے سفلی اغراض کو سلب کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ مقصد خدا تعالیٰ کی صفات کے اظہار و تکرار اور شیطانی حرکات کے مرتکب انسانوں کے انجام کو دکھا کر پیش کیا۔ ہر قسم کے اخلاق اور اعمال صالحہ کے ثمرات اور نتائج کو واقعات، اور حقائق کی روشنی میں نمایاں کیا۔ موعظہ کے مفہوم میں صرف نصیحت کرنا ہی داخل نہیں بلکہ ایسی نصیحت جو نہ صرف یہ کہ دلنشیں اور موثر ہو بلکہ وہ معقول اور مدلل بھی ہو۔ قرآن مجید کے کسی بھی مقام کو پڑھو وہ ایسے رنگ میں اپنی تعلیم کو پیش کرتا ہے جو نہایت دلنشیں اور معقول ہو۔

پھر موعظہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ کامیابی کی طرف لیجاوے

قرآن کریم کی تعلیم میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے اس لئے قرآن کریم کے شروع ہی میں فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں ان اعمال صالحہ کی تصریح فرمائی۔

(۲) شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یہ کتاب ایسی تعلیمات کی حامل ہے جو ہر قسم کی بیماریوں کے لئے جو دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو فرد یا قوم اس نسخہ شفا پر عمل کرے گی وہ ان امراض سے محفوظ ہو جائے گی جو سینوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

ایک نکتہ عربی زبان میں جب قلوب یا صدور وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوتا ہے خواہ بصیغۂ جمع ہو یا واحد تو اس سے مراد وہ سینہ یا دل نہیں ہوتا جو انسانی جسم کے اعضاء ہیں اور طبی تحقیقات یا تشریح کے لئے ان کے افعال الاعضاء پر بحث ہوتی ہے بلکہ ان سے مراد ان اخلاقی اور روحانی اعمال و افعال سے ہوتی ہے جن کا تعلق ایک یا دوسری وجہ سے علم النفس کے ماہرین ان اعضاء سے وابستہ کرتے ہیں۔

فلسفہ اخلاق بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے اور وہ اس کتاب کے موضوع سے جدا ہے۔ گو اس کا ذکر کئے بغیر میں آگے نہیں جا سکتا اس لئے قرآن کریم کی تعلیم کا اصل منشاء تو اخلاقی قوتوں

کی ہی تربیت ہے اور اخلاقی قوتوں کا کمال جب اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچتا ہے تو وہاں سے رُوحانی ترقیات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔
مختصر طور پر میں یہاں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ وہ تمام اخلاقی امراض جیسے حسد[1] ہے بُغض[2] ہے۔ دوسروں سے نفرت[3] ہے۔ تکبر و غرور[4] ہے خشونت[5] اور غصہ ہے۔ ریا[6] ہے بُخل[7] ہے۔ نفاق[8] ہے تملق[9] ہے۔ بزدلی[10] ہے۔ ترکِ عفت[11] ہے۔ ضبطِ نفس[12] کا نہ ہونا ہے ظلم[13] ہے دوسروں کی تحقیر[14] ہے بے حیائی[15] ہے۔ جہالت[16] ہے۔ صدق سے نفرت[17] ہے۔ بے صبری[18] ہے بے غیرتی[19] ہے۔ عدمِ ایفاءِ عہد[20] ہے وغیرہ وغیرہ۔
وہ بد اخلاقیاں جن کا تعلق خدا کی مخلوق اور افراد سے ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کا انکار اس کی صفات یا ذات میں شرک، انبیاء علیہم السلام کا انکار اور ان کی مخالفت وغیرہ یہ تمام امراض ہیں جن کا تعلق سینہ و قلب سے ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید ہر قسم کے امراض سے نجات دیتا ہے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دُور کر دیتا ہے اس لئے وہ نسخہ شفا ہے۔
(۳) تیسری صفت ھدیٰ بتائی اور (۴) رحمت بتائی۔ مگر ساتھ ہی یہ بتایا کہ قرآن مجید کی اِن صفات سے فائدہ اٹھانے کے لئے قوتِ ایمان اور یقین کو پیدا کرنا ضروری ہے۔
جب تک کسی نسخہ پر عمل نہ کیا جاوے اس کے فوائد سے کوئی شخص بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ یہ شفاء ہے۔ یہ موعظہ ہے۔ یہ ھدایت ہے۔ یہ رحمت ہے۔ مگر ان کے ہی لئے جو اِس پر ایمان

لاتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ان ہر چہار امور کی ترتیب بالکل ایک طبعی ترتیب ہے۔

اولاً انسان علم حاصل کرنے کے لئے تذکیر اور موعظت کا محتاج ہے۔ اس تذکیر سے اس کی اندرونی قوتوں اور جذبات میں ایک تحریک ہوتی ہے قرآن کریم ان جذبات کو صحیح راستہ پر چلا دیتا ہے اور اس کے مضر اثرات کو زائل کر دیتا ہے۔ گویا وہ ایک گناہ سوز فطرت پیدا کر کے ایمانیات اور اعمالِ صالحہ کی تحریکوں کو قوت دیتا ہے اور شفاء کامل جب حاصل ہوتی ہے تو انسان کے تمام اعضاء صحیح طبعی کام کرنے لگتے ہیں اور وہ اپنی صحت میں ترقی کرتا ہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی امراض کے مادے جب سلب ہو جاتے ہیں اور جذبات صحیحہ پر انسان قدرت پا لیتا ہے تو اس کو ہر قسم کے فساد و بغی سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ ان طریقوں کو اختیار کرتا ہے جو سراسر ہدایت اور رُشد کے طریقے ہیں اور جن کو قرآن مجید نے کھول کھول کر بیان کیا ہے اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور یہی مفہوم ھدیٰ کا ہے ۔ اور قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل جن نتائج اور ثمرات کو پیدا کرتا ہے اسکا نام رحمت ہے اور قرآن کریم کی یہ صفات اربعہ حقیقت میں اُمّ الصفات کا رنگ رکھتی ہیں اور قرآن کریم کی تبلیغ اور تلقین کا یہی طریق ہے۔

(۱۱) وہ لوگ جو بالکل صحیح الفطرت اور سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ تعلیم کی خوبی ہی کو دیکھ کر مان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے۔

(۲) پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ابھی شکوک اور شبہات کی زنجیروں میں اسیر ہوتے ہیں ان کے لئے **عقلی دلائل** بھی موجود ہیں۔

(۳) پھر بعض لوگ محض معقولات پر قانع نہیں ہوتے وہ عام نتائج اور ثمرات کو دیکھتے ہیں اور جب انہوں نے قرآنِ مجید کی تعلیم کا عملی اثر صحابہؓ پر دیکھا تو ان کے لئے سوائے تسلیم کے چارہ نہ رہا۔

(۴) اور آخری طبقہ نے اسلامی **فتوحات** اور **ترقیات** کا مشاہدہ کیا اور ان وعدوں پر غور کیا جو بطور پیشگوئی دیئے گئے تھے تب انکی بھی آنکھیں کھل گئیں اور سوائے سرِ تسلیم خم کرنے کے چارہ نہ رہا۔

(۷) سورہ حٰم السجدہ پارہ ۲۴۔ رکوع ۵۔ آیت میں بھی قرآن کریم کی یہ صفات بیان کی ہیں۔ فرمایا :-

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝

ترجمہ :- اور اگر ہم اس قرآن کو **عجمی** بتلاتے تو کہتے کہ اس کی آیات کھول کھول کر کیوں بیان نہیں کی گئیں۔ کیا عجمی اور عربی برابر ہیں ؟ ان کو جواب دو کہ **قرآن کریم** تو ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو لوگ ایمان

نہیں لاتے اُن کے کانوں پہ تو گویا بوجھ ہے اور وہ قرآن کریم
اُن کے لئے نابینائی ہے۔ ان کی مثال تو ایسی ہے کہ گویا کسی دُور
کی جگہ سے اُن کو پکارا جاتا ہے۔

یہاں ایک نئے رنگ میں قرآن کریم کے شفا اور ھدیٰ ہونیکو
پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی عملی قوت کا اظہار فرمایا ہے۔ یا یہ کہ
اس کے نسخہ شفاء اور طریق ہدیٰ سے مستفیض ہونے کی صراحت
کی ہے۔

عجمی کا مفہوم یہ ہے کہ جس کلام میں ابہام ہو خواہ وہ عربی ہو یا
غیر عربی۔ یہاں منکرین قرآن کریم کے ایک اعتراض کو رد کیا ہے جو انکی
سمجھ میں ایک بات آتی نہیں اور وہ توجہ کرتے نہیں اور اعتراض یہ کرتے
ہیں کہ قرآن مجید کو کھول کر بیان نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات
پر اس کی صراحت موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے معترضین کو بتایا
ہے کہ قرآن مجید ہدایت اور شفاء تو مومنین کے لئے ہے۔ اور جن
لوگوں کی یہ مثال ہو کہ وہ سُنتے نہیں، توجہ نہیں کرتے وہ ایک قسم کے
اندھے اور بہرے ہیں ان کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ کانوں پر بوجھ کا ذکر
سورۃ حٰم السجدہ کی پانچویں آیت میں بھی کیا گیا ہے۔ گویا یہاں بھی قرآن کریم
سے استفادہ کا طریق بتایا، توجہ سے سنو اور اس پر عمل کرو۔

(۲) سورۃ اعراف پارہ ۹۔ رکوع ۶۔ آیت ۵۲ میں فرمایا۔
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥

حاصل ترجمہ :- اور یقیناً ہم نے ان لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو اپنی تعلیمات اور ہدایات کو علمی رنگ میں پیش کرتی ہے۔ اور کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مومنین کے لئے ہدایت ہے رحمت ہے۔

یہاں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کریم اپنی تعلیمات اور ہدایات کو نہ صرف وضاحت و تفصیل سے بیان کرتا ہے بلکہ اسکے ساتھ علمی شواہد اور دلائل بھی ہیں۔

(۴) سورۃ نمل پارہ ۲۰۔ رکوع ۶۔ آیت ۷۷، ۷۸ میں فرمایا:-

(۷۷) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥

(۷۸) وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥

حاصل مطلب :- بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل سے ان باتوں کو بیان کرتا ہے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ قرآن کریم مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

یہاں قرآن مجید کا ایک اور کام بھی بتایا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے اختلافی امور پر ایک قول فیصل دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لفظ میں خود یہودیوں کے باہمی اختلافات اور یہودیوں اور عیسائیوں کے

اختلاف کو شامل کر دیا ہے۔ ان میں یعنے یہودیوں اور عیسائیوں کے باہمی اختلافات میں سب سے بڑا مسئلہ تو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی نبوت اور ان کی وفات اور رفع کا ہی ہے۔ غرض قرآن مجید کے ان مقامات میں شفاء، رحمت اور ھدیٰ کی قرآنی صفات کی صراحت و تفسیر ہے۔

(۹) سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۵ آیت ۴۱ میں فرمایا:۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝

اور یقیناً ہم نے اس قرآن (کریم) میں مختلف طریقوں پر (حقائق) بیان کئے ہیں (مقصد یہ ہے) کہ لوگ نصیحت حاصل کریں (مگر بجائے اس کے سچائی سے) ان کی نفرت ہی بڑھتی گئی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

قرآن کریم کے منکرین اور معاندین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم ایک ہی مقصد کو بار بار بیان کرنے کا مدعی ہے۔ اور یہ امر فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ معترض کا مقصد حقیقت کو سمجھنا نہیں ہوتا قرآن مجید نے خود اسی آیت میں اس اعتراض کا جواب دیدیا ہے اور قرآن کریم کے علمی کمالات میں سے یہ ایک اعجاز ہے کہ جہاں اور جس مقام پر کوئی

دشمن اعتراض کرتا ہے وہاں ہی اس کا جواب محققانہ رنگ میں موجود ہے۔

یہاں اوّل یہ دعوٰی کیا کہ ہم نے قرآن کریم میں بار بار مطالب حق کو بیان کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے لِيَذَّكَّرُوا تاکہ لوگ اس کو سمجھ لیں اور سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔

نفسِ تکرار کوئی عیبِ کلام نہیں۔ جہاں کسی امر کا ذہن نشین کرنا مقصود ہو یا کسی صداقت پر زور دینا ملحوظ ہو وہاں تکرار ایک ضروری طریقِ بیان ہے۔

علاوہ بریں صَرَّفْنَا کے معنے لغتِ عرب میں کسی چیز کو ردّ کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اور مختلف وجوہ اور طرق سے بیان کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ ہم نے اچھی طرح سے ہر اس اعتراض کو ردّ کر دیا ہے جو قرآن کریم پر وارد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ حقائق القرآن کو ہم نے مختلف پہلوؤں سے بیان کر دیا ہے۔ دونوں صورت میں مقصد اصلی یہ ہے کہ

لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اگرچہ یہ معنی لغتِ عرب کے اساس پر بیان کئے ہیں۔ مگر خود قرآن مجید اس کی تصریح فرماتا ہے۔ چنانچہ ابی صورت بنی اسرائیل رکوع ۹۔ آیت ۸۰ میں فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور یقیناً لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہم نے ہر ایک بات کو

مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے (باایں) اکثر لوگوں نے ہر صداقت کا انکار کیا اور (اقرار کیا تو صرف) کفر کا۔

جو تصریح اِس آیت میں صَرَّفْنَا کے متعلق میں نے کی تھی، قرآن کریم کی یہ آیت آپ اس کی توضیح کرتی ہے۔ یعنے قرآن کریم تمام مطالبِ عالیہ کے مختلف اسلوب سے بیان کرتا ہے تاکہ ہر عقل و فہم کا انسان اس سے حصّہ لے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس نے بیان نہ کیا ہو۔ وہ سیاست کا ہو یا تمدن و معاشرت کا۔ کسی رنگ کی بحث ہو قرآن کریم اسے مکمل طور پہ پیش کرتا ہے۔ ونعم ما قیل ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیّا نکلا

(۱۰) اسی کی تائید میں قرآن کریم سورۃ کہف رکوع ۸ کی آیت اوّل اور اسی سورۃ کی آیت ۵۲ میں یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

اور یقیناً ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کے فائدہ کے لئے ہر امر کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے (مگر) انسان سب سے بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۴۱ میں مختلف پیرایوں میں بیان کرنیکا مقصد قرآن کریم میں تذکیر قرار دیا ہے اور یہی مقصد ہر جگہ مدِنظر ہے۔
مجھے ان لوگوں کے فہم و فطرتِ صحیحہ کے غلط استعمال پر رونا آتا ہے جو قرآن کریم کے بار بار ادا کے مطالب پر اعتراض کرتے ہیں بحالیکہ جو خطیب اپنے مقصد کو مختلف رنگوں میں بیان کرنے پر قادر ہو تو یہ امر تو اس کی قوتِ بیان اور اظہارِ استدلال کی دلیل ہے۔ اور قرآن کریم کا اس سے بے مثل ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ اس کا اعجازِ بیان ہے۔
سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۸۰ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مختلف پیرائے اسلوبِ بیان کے اس لئے اختیار کیے گئے ہیں کہ تا اس سے قوتِ یقین ترقی کرے اور انکار کے اسباب سلب ہوں۔ مگر تھوڑے ہوتے ہیں جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اکثریت منکرین کی ہوتی ہے۔
یہاں ایک جدید اسلوب کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بظاہر الفاظ ایک ہیں مگر صرف بعض الفاظ کو بدل کر ایک نہایت عظیم الشان اور جدید مطلب بیان کر دیا ہے۔
غور کرو۔ یہاں بتایا کہ ہم نے مختلف پیرایوں میں صداقت ہائے قرآنی کو پیش کیا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ انسانی فطرت جھگڑالو واقع ہوئی ہے۔ یہ فطرت تو اسے اس لئے دی گئی ہے کہ تا وہ تشحیذ الاذہان سے علمی کمالات حاصل کرے اور ہر قسم کی ترقیات میں بڑھتا چلا جاوے پس اس فطرت کو مدِنظر رکھ کر قرآن کریم نے تصریف البیان کے

اسلوب کو مدنظر رکھا ہے۔

اِسی حقیقت کو قرآن کریم ایک دوسرے پیرایہ میں بھی بیان کرتا ہے۔

(۱۱) سورۃ زمر رکوع ۳۔ آیت ۲۶، ۲۷ میں فرمایا:۔

(۲۶) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(۲۷) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: (۲۶) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے نفع کیلئے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۲۷) یہ قرآن عربی زبان میں (جو خود ہر بیان کو واضح طور پر بیان کرتی ہے) اور اس قرآن میں کوئی تعلیم ایسی نہیں جس میں کسی قسم کی کجی ہو۔ (ایسی واضح اور سیدھی تعلیم کیوں پیش کی ہے) تاکہ وہ انسان تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کر لیں اور ہر قسم کے دکھوں سے نجات پائیں۔

یہاں قرآن کریم نے صَرَّفْنَا کی بجائے ضَرَبْنَا کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ضرب المثل عام محاورہ ہے اور ضرب المثل وہ ہوتی ہے جو اپنے ایک لمبے تجربہ کے بعد ایک حقیقت کے طور پر مستعمل ہوتی ہے۔ تو یہاں جو بیان فرمایا کہ قرآن کریم میں ہر مثل کو بیان

کیا ہے۔ اور اس بیان میں لفظ ضرب کا استعمال فرمایا جو اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ صداقتیں کسی رنگ میں بھی غور کرو صداقت ہی ثابت ہوتی ہیں۔ ٹھونک بجا کر دیکھ لو۔

یہاں اس ضرب امثال کا مقصد وہی تذکیر و موعظت بیان فرمایا اور قرآن کریم کی زبان کا ذکر بھی خصوصیت سے کر دیا اس لئے کہ عربی ہی وہ زبان ہے جو اپنی وسعت کے لحاظ سے مطالب کو وضاحت سے بیان کر سکتی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی بتا دیا کہ قرآن کریم کی تعلیم غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ہے۔ اس میں کسی قسم کا پیچ و خم نہیں۔ وہ صِرَاطِ مُسْتَقِیم ہے۔

(۱۲) قرآن کریم سورۃ روم آیت ۵۸ میں بھی اسی طرزِ کلام کو اختیار کیا گیا ہے۔ فرمایا:-

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تو اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔ مگر منکروں کا یہ حال ہے کہ اگر تم ان کے سامنے کوئی بھی آیت پیش کرو تو وہ یہی کہیں گے کہ تم صرف دھوکا دیتے ہو۔

اس میں قرآن مجید کی ہدایات و آیات سے محروم ہو جانے کا

ذریعہ بتا دیا ہے کہ قرآن کریم تو انسانی نفع رسانی کا ذریعہ ہی ہے اور اسی مقصد کو مختلف رنگوں میں پیش کیا ہے لیکن جب انسان انکار کرتا ہے تو وہ ایک حقیقت کو بھی باطل قرار دیتا ہے۔ اس طرح پر اس کی قوتِ فیصلہ مر جاتی ہے۔

(۱۳) سورۃ طٰہٰ کی آیت ۲ و آیت نمبر ۱۱۳ و ۱۱۴ میں اسم قرآن کا ذکر فرمایا ہے۔ میں ان ہر سہ آیات کو لکھ کر اس پر تشریحی نوٹ لکھتا ہوں سورۃ طٰہٰ کی پہلی آٹھ آیات کو قرآن کریم کے مقصدِ عظیم کو سمجھنے کیلئے زیرِ نظر رکھنا چاہیئے۔

سورۃ طٰہٰ شروع ہوتی ہے (۱) طٰهٰ ج (۲) مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ یعنی اے مخاطب! ہم نے قرآن کریم تجھ پر اسلئے نازل نہیں کیا کہ تو ناکام ہو جاوے۔

(۳) اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ (۴) تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ (۵) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ (۶) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ (۷) وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝

قرآن مجید کے عامل نامراد نہیں ہو سکتے

سورۃ طٰہٰ کے نزول کا زمانہ مکی زندگی کا درمیانی زمانہ ہے۔ اور اس وقت مخالفت اپنے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی

تھی کہ ہر طرف سے صدائے انکار بلند ہوتی اور مختلف قسم کے جاں ستاں منصوبے سوچے جا رہے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اہل مکّہ کے انکار و شدّتِ مخالفت کو دیکھ کر ان کی محرومی پر فطرتاً دُکھ محسوس کرتے تھے۔ ان کی تکلیف دہ حرکات پر آپ کو اتنا غم نہ تھا بلکہ اُن کے نہ ماننے پر آپؐ کو سخت قلق تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی کیا ان کے لئے غم و فکر میں کہ یہ مومن کیوں نہیں ہوتے تُو اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا؟ یہ حضورؐ کے کمالِ اخلاق کا ایک نمونہ ہے۔

ایسی حالت میں یہ وحی ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا نزول ناکامی و نامرادی کے لئے نہیں ہے بلکہ کامیاب و بامراد کرنے کے لئے ہے۔ اور وہ اپنے حامل اور عامل کو دُنیا میں ایک تاریخی انسان بنا دینے والا ہے۔

ایک بلیغ اسلوب بیان

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان ایسا دلکش اور بلیغ ہے کہ ہر مقام پر رُوح میں وجد پیدا ہوتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے نزول کی غرض اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی بیان کی ہے مگر طریقِ اظہار کے لئے الفاظ یہ اختیار کئے ہیں کہ

ہم نے قرآن اسلئے نہیں اُتارا کہ آپ ناکام ہوں۔

اِن الفاظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اس وقت جو منصوبے

ہوا ہے تھے اُن کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہ حالات ایسے نامساعد ہیں کہ دُنیا کا کوئی مدبّر اور فرزانہ اِن حالات کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوں گے

عقل اور ماحول کا فتویٰ اُس وقت یہی ہو سکتا تھا کہ آپؐ کو کامیابی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے یہ تحدّی فرمائی کہ قرآن کریم کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناکامی کا موجب ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ قرآن مجید کی اعجازی قوت کا ایک مظاہرہ ہے اور چند سال ہی کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا بلکہ سورۃ طٰہٰ کی اِن ابتدائی آیات کے نزول کے کچھ ہی دنوں کے بعد اسی سورۃ کے اِس حصہ کو سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر انسان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے اسلام کی اشاعت و وسعت کے کام کو مقدر کر رکھا تھا۔ یہ گویا پہلا ثبوت تھا اِس پیشگوئی کے پورا ہونے کا۔

حیرت انگیز کامیابی تاریخِ اسلام کو پڑھو تو حیرت ہوتی ہے کہ جب یہ آیات اُتر رہی تھیں اُس وقت دُنیا تاریخی دُنیا نہیں تھی۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور آج کا مؤرخ اس کا نام پری ہسٹارک یعنے زمانہ قبل تاریخ رکھتا ہے۔ گویا تاریخی عہد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت

رسل و رسائل اور حمل و نقل کے وہ ذرائع نہ تھے۔ دنیا تو ایک طرف خود عرب کے قبائل منفرد اور بکھری ہوئی آبادیوں اور بستیوں میں کوئی ربط نہ تھا مگر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ان بکھری ہوئی آبادیوں اور دور دراز مقامات سے لوگ چلے آتے تھے۔ آپ کی آواز ہر جگہ پہنچی اور اس طوفانِ مخالفت میں خدا تعالےٰ نے اس آواز کو موثر بنا دیا اور ایک

غیر معمولی انقلاب آپ نے پیدا کر دیا

کہ ان عربوں کی حالت بدل گئی۔ اُن کی توہم پرستی، ان کی بت پرستی، ان کی قابلِ نفرت اخلاقی پستی اور ہر قسم کی بدکاریوں میں منہمک زندگی ایک آن میں بدل دی۔ یہ ایسا انقلاب ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔

پس اس سورۃ کے شروع میں قرآن کریم کے متعلق جو دعویٰ کیا گیا وہ خدا کی ہستی، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کی سچائی کا زبردست گواہ ہے جو تاریخی شہادت سے ثابت ہے۔

آیت نمبر ۴ اور مابعد میں بتایا کہ قرآن مجید کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ کلام ربانی ہے اور اس ہستی نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور یہ اس کی صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے۔ وہ رحمان جو تختِ حکومت پر متمکن ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب اُسی کی مخلوق و ملک ہے۔ اور کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے یا زمین کے نیچے ہے اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے۔

اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ ہر ظاہر و مخفی در مخفی اسرار کو جانتا ہے۔ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود، محبوب اور مطاع نہیں۔ اس کے اسماء حُسن و خوبی کے اسماء ہیں۔

قرآن مجید نے اللہ تعالےٰ کی ان صفات کے ذکر میں قرآن مجید کی اعجازی قوت اور اس کی تعلیم و ہدایت کے کمالات کو بیان کر دیا ہے اور قرآن مجید کے حامل و عامل کی کامیابی کے دلائل دیدیئے ہیں۔

(۱) خدا تعالےٰ کے خالق الارض والسماء کے اظہار سے بتایا کہ قرآن مجید پر عمل سے ہر قسم کی مادی اور رُوحانی برکات اور ثمرات حاصل ہوں گے اور قرآن کریم ہر قسم کے علوم کا جامع ہے۔

(۲) قرآن مجید کے نزول کا فلسفہ بتایا کہ خدا تعالےٰ کی رحمانیت نے اس کے نزول کا تقاضا فرمایا۔ جس طرح پر انسان کی مادی بقا اور حیات کے سامان رحمانیت نے مہیّا کئے ہیں اسی طرح اسکی حیاتِ ابدی اور رُوحانی ترقیات کے سامان قرآن مجید کے ذریعہ مہیّا کر دیئے۔

(۳) اللہ تعالےٰ کے عالم السرّ والخفی ہونے کے اظہار میں اس طرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید میں جو پیشگوئیاں کی گئی ہیں وہ اس کی اعجازی قوت اور خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے عالم الغیب ہونیکا ثبوت ہے۔

(۴) یہ ظاہر کر کے کہ تمام حُسن و خوبی کے اسماء اسماءِ الٰہیہ ہیں یہ بتایا کہ قرآن مجید سراسر حُسن و جمال ہے۔ دلنز۔ ہر ما قیل ۱

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

(۱۴) قرآن کے نام سے اسی سورۃ کی آیت ۱۱۳ و ۱۱۴ میں بھی تکرار فرمایا گیا ہے ۔ فرمایا :-

(آیت نمبر ۱۱۳) وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ٥

(آیت نمبر ۱۱۴) فَتَعَٰلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْءَانِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰٓ إِلَيْكَ وَحْيُهُۥ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِى عِلْمًا ٥

(حاصل مطلب نمبر ۱۱۳) اور اسی طرح یہ ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ وہ اپنے مطالب کو کھول کر بیان کر دے اور مختلف طریقوں سے ہم نے قرآن کریم کے منکرین کو انکار و بدعملی کے پاداش سے متنبہ کیا ہے ۔ مقصد یہ تھا کہ وہ اس عذاب سے (جو منکرین انبیاء علیہم السلام پر آتا ہے) بچ جائیں نہ صرف یہ بلکہ اس کو مان کر اور عمل کر کے عزت و عظمت حاصل کریں ۔

اس آیت میں قرآن کریم کے نزول کے مقاصد میں سے ایک اس مقصد کا اظہار کیا کہ قرآن کریم مختلف رنگ میں منکرین پر عذاب کی خبر

دیتا ہے۔ اور اس انذار سے ایک ہی مقصد ہے کہ وہ مصدقین اور مومنین کے زمرے میں داخل ہو کر عذابِ الٰہی سے بچ جاویں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جب وہ اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالےٰ ان کو عظمت و عزت کے اُس مقام پر کھڑا کر دے گا کہ

وہ ایک تاریخی قوم ہو جائیں گے

یہاں اَوْ بمعنی بَلْ (بلکہ) ہے۔ یعنے قرآن کریم صرف بدیوں سے ہی نہیں بچاتا بلکہ عزت و شرف بھی عطا کرتا ہے۔

(حاصل مطلب آیت نمبر ۱۱۴) یاد رکھو ہر طرح کی عظمت و جلال اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی بادشاہ حقیقی ہے۔ اور (اے پیغمبر!) قرآن کریم کے لئے جلدی نہ کر جب تک کہ اس کی وحی تیری طرف پوری نہ ہو جاوے۔ اور رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دُعا کرتے رہو۔

علومِ قرآن کے حصول کا ذریعہ

ان آیت سے قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مقام رفیع کا اشارہ کیا ہے۔ قرآن کریم کے علوم اور فیضان کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کے معارف و حقائق کے حصول کے دو ذریعے ہیں اوّل۔ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ قرآن کریم پر غور و فکر کرتے وقت جلدی نہیں کرنی چاہیئے نہایت توجہ سے اس کے مطالبِ عالیہ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دوم۔ قرآن کریم کے حقائق و معارف کے حصول

کے لئے دائماً دُعا کرتے رہنا چاہیئے اور کسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر نہ جانا چاہیئے۔
یہ تو عام سبق ہے۔ اگرچہ اس آیت کی تفسیر میں بعض اور امور بھی بیان کئے گئے ہیں۔ میرا مقصد صرف قرآن کریم کے مقامِ بلند کو بیان کرنا ہے۔

یہ آیت نبی کریمؐ کے مقام رفیع کی مظہر ہے۔

اس آیت سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقامِ بلند کا بھی پتہ لگتا ہے۔ آپؐ کو یہ دُعا سکھائی گئی رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ ہر وقت ازدیادِ علم اپنے رب سے مانگو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علم و عرفان کا مقام کتنا عظیم الشان ہے۔ اس کی کوئی حد و پایاں نہیں اس لئے کہ جس بلند سے بلند مقام معرفت و علم پر پہنچیں گے وہاں پر رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کی دُعا آپ کو آگے لے جائے گی۔ اس طرح پر یہ مقامِ علم و عرفان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بے پایاں وسعت و رفعت کا نتیجہ ہے۔ ذوق بھی اور آگے لئے جا رہا ہے۔ اس بے پایاں طلب کیلئے کتنے وسیع حوصلہ اور عزم کی ضرورت ہے اس کا قیاس بھی ہم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ طلب بے حد ہے تو طالب کا حوصلہ بھی بلند تر ہونا لازمی ہے اور قرآن مجید اسی لئے کہتا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا ہم نے تیرے سینہ کو وسیع نہیں کر دیا؟ کوئی مشکل تیرے عزم اور پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکتی اور تیرا قدم آگے ہی کو اُٹھتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کے

آپ صحیح مصداق ہیں۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ وبارِك وسلّم۔

(۱۵) سورۃ نمل پارہ ۱۹۔ آیت اوّل کے متعلق قرآن کریم کے اسم الکتٰب میں ذکر آیا ہوں۔ یہاں قرآن کریم کے ہر دو اسماء الکتٰب اور قرآن کو جمع کیا ہے۔ اس لئے ہم نے الکتٰب کی بحث میں اس کا ذکر بھی کر دیا۔ پھر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۷ میں فرمایا۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ؁

یعنی۔ اور یقیناً تجھ پر قرآن کریم حکیم و علیم کی طرف سے القاء کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے نزول کو علیم و حکیم کی طرف منسوب کرنے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم سراسر حکمت پر مبنی ہے اور قرآن کریم تمام علوم صحیحہ کا سرچشمہ ہے۔

(۱۶) پھر اسی سورۃ نمل کی آیت ۷۸ میں قرآن کریم کے نام کا ذکر کرکے اس کا ایک اور مقصد بیان فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ؁

یعنی بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کی اکثر ان باتوں کو

بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بیشک قرآن کریم تو ہدایت ہے رحمت ہے مومنوں کے لئے۔

بنی اسرائیل سے کیا مراد ہے؟

یہاں بنی اسرائیل سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں۔ قرآن کریم کا ایک کام یہ بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل یعنے یہود و نصاریٰ اکثر باتوں میں اختلاف کرتے اور باہم جھگڑتے ہیں۔ قرآن کریم بہ حیثیت حَکَم انکے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ مثلاً نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم علیہما السلام پھانسی دیا گیا۔ اور یہودی کہتے ہیں ہم نے مسیحؑ کو قتل کر دیا اور وہ جھوٹا نبی تھا۔ قرآن مجید فیصلہ کرتا ہے کہ دونوں اپنے دعوے میں حق پر نہیں۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ مسیح ابن مریمؑ خدا کا صادق نبی نہیں تھا غلط ہے وہ خدا کا برگزیدہ رسول تھا اور ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ قرآن کریم نے فیصلہ کیا کہ وہ خدا کا نبی تھا۔ یہودیوں نے اُسے صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر کے یہ ثابت کرنا چاہا کہ وہ جھوٹا نبی ہے اللہ تعالےٰ نے مسیح کو صلیبی موت سے بچا لیا اور طبعی موت سے اپنے وعدہ کے موافق وفات دی اور وہ کشمیر کے محلہ خان یار میں مدفون ہیں جیسا کہ تاریخی اور دوسرے شواہد سے ثابت ہو چکا ہے اسی طرح سے یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء بنی اسرائیل کے متعلق جن غلط امور کو بیان کیا تھا ان کی تردید کی اور انبیاء علیہم السلام

کی عصمت کو ثابت کیا۔ گویا یہاں قرآن مجید کے تین مقصد بیان کئے یہودیوں اور عیسائیوں کے اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کے لئے اس کا ہدایت اور رحمت ہونا۔

(۱۷) پھر اسی سورۃ کی آیت ۹۳ میں جو آخری رکوع کی آخری آیت ہے اسم قرآن کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے آیت ۹۲ کو بھی ساتھ ہی پڑھو۔ میں یہاں صرف حاصل بالمطلب کے طور پر بیان کرتا ہوں :-

(۹۲) مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں۔ وہ رب جس نے اس شہر کو عزت و حرمت والا شہر قرار دیا۔ اور وہ رب کہ ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں میرے ذریعہ سلامتی پھیلے۔

(۹۳) اور قرآن کی تلاوت کروں یعنے اس کی اتباع کروں (سنو) جو کوئی ہدایت کے راستہ کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فایدہ کے لئے ہدایت کی پیروی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے مجھے حکم ہے کہ کہدوں کہ (یاد رکھو) میں تو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں اور اس عذاب سے آگاہ کرنے والا ہوں۔

اور کہدو ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ تمہیں اپنے نشانات دکھائے گا تاکہ تم زندہ خدا کی ہستی اور قدرت کی شناخت کر لو۔ اور تیرا رب تمھارے اعمال سے غافل نہیں۔

اِن آیات میں قرآن کریم کے مقصدِ وحید کو بتایا کہ اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اور یہ مقصد قرآن کریم کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی ہدایت سے مُنہ پھیرنے والا اپنے آپ کو مستحقِ عذاب بنالیتا ہے۔ اور قرآن کریم کا یہ دعویٰ واقعات سے ثابت ہو جاتے گا میرے مخالف ہلاک ہو جائیں گے۔ اور میں امن وسلامتی کا شہزادہ قرار پاؤں گا۔ (اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ)

(۱۸) سورۃ قصص پارہ ۲۱ کی آیت ۸۶ میں بھی قرآن کا نام آیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ط قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

ترجمہ: جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ یقیناً تجھے لوٹ کر واپس آنے کی جگہ (مکّہ معظّمہ) واپس لائے گا۔ کہہ دے میرا رب خوب جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اُسے بھی جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

یہاں قرآن مجید کے نزول کا ایک مقصد اِس عظیم الشان پیشگوئی کی تلاوت ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت مکہ معظمہ واپس آنے کی ہے اور جس میں فتح مکّہ کی بشارت موجود ہے۔ مَعَادٌ کے معنے کسی جگہ سے پرے چلنے کے بعد واپس آنے کے ہیں۔ اور یہ عَوْدٌ سے ظرفِ مکان و زمان دونوں پر حاوی ہے۔

یہ آیت ہجرت ہی کے وقت بلکہ تاریخی شہادت سے ثابت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا رہے تھے تو راستہ میں نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت ایسے کوئی آثار و علامات نہ تھے کہ دُنیا کا کوئی سیاست دان یہ پیشگوئی کر سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتایا کہ قرآن مجید جس کی تلاوت اور جس پر عمل تجھ پر فرض کیا گیا ہے تجھے بشارت دیتا ہے کہ تو پھر کامیاب و بامراد مکہ آئے گا۔ جو آخری حصہ ہے یہ بشارت واضح الفاظ میں ہدایت اور ضلال کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

(۱۹) سورۃ سبا پارہ ۲۲ رکوع ۴۔ آیت ۳۲ میں منکرین قرآن کریم کے انجام کو بتایا ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ اُس وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کی کامیابی کی بظاہر کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی مگر قرآن کریم اس مقام پر صراحت سے اس انجام کو ظاہر کرتا ہے۔ میں صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرمایا:۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اِس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے۔ اور اگر تُو دیکھے (یعنے تُو دیکھے گا) کہ جب یہ منکرین حق (جو ظالم ہیں) اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے تو ایک دوسرے سے خطاب کریں گے۔ جو کمزور تھے وہ متکبرین کو کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً مومن ہوتے۔

اسی طرح یہ مکالمہ منکرین کی جماعت کے دونوں طبقوں کے درمیان قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ اور وہ دن جبکہ ان کے خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کا ذکر کیا ہے وہی دن ہے جس کو قرآن مجید یوم الفرقان قرار دیتا ہے۔

(۲۰) سورۃ صٓ پارہ ۲۳۔ پہلی ہی آیت میں فرمایا:۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سچائی کا ثبوت یہ قرآن ذی الذکر ہے۔ یہاں قرآن مجید کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ بصورت قسم۔ اور اس کا عملی جواب یہ ہے کہ قرآن کریم پر عمل اور اس کی صداقت پر ایمان باعث شرف ہے۔ اور ماننے والوں کو تاریخی قوم بنا دیا جائے گا۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کامیابی اور شرف یابی کی بشارت دی گئی ہے۔ جس پر تاریخ عالم گواہ ہے۔

(۲۱) سورۃ یٰسٓ پارہ ۲۲ کی پہلی آیت سے چھٹی آیت تک قرآن کریم کے نام سے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے انسانِ کامل! قرآن الحکیم کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ تُو مرسلین میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ یہ قرآن کریم العزیز الرّحیم کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے تاکہ تُو اس قوم کو متنبّہ کر دے جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا اور وہ غفلت میں ہیں۔

قرآن مجید اپنے اندر ترتیب کا ایک محکم اور ابلغ نظام رکھتا ہے اور اس کے مطالب اور مضامین ایک سلک گہر کی طرح ہیں۔ یٰسٓ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اوّل تُو مرسلین میں سے ہے یعنے مرسل من اللہ ہے۔ (۲) تیرا ہی راستہ صراطِ مستقیم ہے اور تیری عملی زندگی صراطِ مستقیم کا صحیح نمونہ ہے۔ اور اس دعوے کی صداقت اور شہادت میں ہم قرآن کریم ہی کو بطور گواہ پیش کرتے ہیں۔

یہاں قرآن کریم کی صفت الحکیم بیان کی ہے یعنے اس کی تعلیم سراسر حکمت پر مبنی ہے۔ وہ انسان کی ہر قوت اور جذبہ کی صحیح تربیت کرتی ہے۔ اور قرآن کریم کس طرح شہادت دیگا۔ یہ العزیز الرّحیم کا کلام ہے۔ اس کے ماننے والے دنیا میں غالب اور ان کے اعمال کا صحیح بدلہ ملیگا۔ اور آج کے بیکس کل کے سلاطین کے وجود ایک ایسی شہادت ہوگی جس کا کوئی انکار نہ کرسکیگا۔ اور پھر قرآن مجید کی صداقت اِس امر سے بھی نمایاں ہوگی کہ یہ ان قوموں میں بھی

پہنچ جائے گا جن کے باپ دادا کو تبلیغ نہیں ہوئی۔ اور آج اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ

افریقہ کے جنگلوں تک قرآن مجید کی تبلیغ ہو رہی ہے

(۲۳) سورۃ حٰم سجدہ پارہ ۲۴ کی پہلی پانچ آیتوں میں فرمایا:۔

حٰمٓ ۝١ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝٢ كِتٰبٌ
فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝٣
بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ
لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا
وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝

ترجمہ:۔ حمید مجید خدا فرماتا ہے قرآن مجید کا نازل کرنا اللہ رحمٰن رحیم کی طرف سے ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں کسی قسم کا ابہام اور شک نہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو قرآن ہے۔ ہر زمانہ میں پڑھی جاوے گی۔ اور اس کی زبان عربی ہے جو ہر مطلب کو کھول کر بیان کرتی ہے۔

قرآن کریم بشیر اور نذیر ہے اس میں بشارت و انذار ہے ماننے والوں کے لئے بشیر اور نہ ماننے والوں کے لئے نذیر ہے اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی شان ہے۔

قرآن مجید سے اکثر لوگ کان بند کرتے ہیں ایسے لوگوں سے

اعراض کرو۔

(۲۳) اسی سورۃ کے رکوع ۴۔ آیت ۲۷ میں اس حقیقت کو واضح کیا

ہے جو آیت نمبر ۴ میں فرمایا تھا وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

اس آیت ۲۷ میں فرمایا :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ

وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو بھی نہیں۔ جب قرآن پڑھا

جاوے تو شور مچاؤ۔ اس طریق سے تم غالب ہو جاؤ گے۔

اس سے آگے اللہ تعالےٰ نے بطور پیشگوئی فرمایا کہ ایسے کافروں کو یقیناً

یقیناً عذابِ شدید کا مزا چکھائیں گے۔

(۲۴) سورۃ شوریٰ پارہ ۲۵۔ آیت ۸ میں فرمایا :۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ

الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ

فِى السَّعِيْرِ ۝

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف قرآن وحی کیا جو عربی زبان

میں ہے تاکہ تو اُمّ القریٰ اور اس کے گرد اگرد کی بستیوں اور

قوموں کو آگاہ کرے اور ان کو اس امر سے بھی ڈرادے کہ ایک

دن آتا ہے جس میں ذرا بھی شُبہ نہیں جبکہ (دونوں فریق)
جمع ہوں گے۔ ان میں سے ایک فریق جنّت میں ہوگا اور
دوسرا دوزخ میں۔

ایک نکتۂ معرفت

کئی سورتوں میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور اعدائے اسلام کی ناکامیوں کے متعلق پُرزور تحدّیاں کی گئی ہیں۔ اور یہ ایسے زمانہ میں کی گئی ہیں جبکہ مسلمانوں پر قسم قسم کے مصائب مخالفین کیطرف سے پیدا کئے جارہے تھے کہ دُنیا کا کوئی فلسفی اور سیاسی انسان ان حالات میں یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ اسلام غالب آجائیگا۔ مگر چونکہ خدائے علیم وخبیر کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے۔ اسی سے علم پاکر اس قسم کی حیرت انگیز تحدّیاں کیں اور اسلام کی تاریخ اور دُنیا کی تاریخ گواہ ہے۔ کہ

وہی ہو کر رہا جو کہا گیا تھا۔

(٢٥) سورۃ زخرف آیت اوّل و دوم و سوم و چہارم پارہ ٢٥ میں
خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا
عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ
لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۗ

ترجمہ: ہم نے کتاب مبین کو جو نازل کیا ہے اسے عربی زبان

میں قرآن بنایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ تم عقل سے کام لو۔ اور وہ ہمارے پاس اُمّ الکتاب میں ہے اس کی شان بلند ہے اور وہ سرچشمۂ ہدایت ہے۔

اِس کے متعلق قرآن کریم کے اسم کتاب کے ذیل میں بھی لکھ آیا ہوں۔ یہاں صرف اسم قرآن کے متعلق اسی قدر کہنا ہے کہ قرآن کریم کی وسعتِ تلاوت و قرأت کا اظہار فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ علوم عقلیہ صحیحہ کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اور قرآن کریم کے ذریعہ تم میں عقل و دانش پیدا ہو گی۔ اس کے ذریعہ تم اپنے قویٰ پر حکمرانی کے اصول سیکھ لو اور تہذیب نفس کی عادت تم میں پیدا ہو۔

مجھے ہمیشہ تعجب ہوا جب میں نے کسی کو یہ کہتے سُنا کہ مذہب میں عقل کو کیا دخل؟ قرآن مجید قوائے عقلیہ کی صحیح تربیت فرماتا ہے بلکہ اس کے مقاصدِ نزول میں یہ امر داخل ہے۔ اس لئے کہ اخلاق فاضلہ کا حصول اور رذائل سے بچنے کا ذریعہ عقل ہے۔ پھر قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ ہمارے پاس اُمّ الکتاب میں ہے۔

اُمّ الکتاب سورۃ فاتحہ کا بھی نام ہے۔ یعنی قرآن مجید اپنے مضامین کے اختصار و ایجاز کے طور پر سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک صداقت ہے کہ قرآن مجید سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ لیکن ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہے۔ اور لوح محفوظ علم الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کے لوح محفوظ

میں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دشمن اسے ضائع نہیں کر سکتے اور یہ مفہوم قرآن مجید نے دوسرے مقام پر واضح کر دیا ہے۔

چنانچہ سورۃ بروج پارہ ۳۰ میں فرمایا:۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

بلکہ وہ قرآن مجید ہے (یعنی ایسا کلام جو ہر زمانہ اور ہر قوم پر پڑھا جاوے گا اور ہر عہد اور ہر قوم میں ہمیشہ معزز ہی رہے گا۔ اس کی عظمت اور مجد ہر رنگ میں ہر قوم پر ممتاز ہوگی) اور اس کے کمال کا یہ حال ہے کہ وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا اس لئے کہ وہ لوح محفوظ میں ہے۔

ایک نکتۂ معرفت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جہاں قرآن مجید کے کسی مقام پر دشمن اعتراض کرتا ہے وہاں ہی حقائق و معارف کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ اور وہ اعتراض قرآن کریم کی عظمت کو کم نہیں بلکہ زیادہ کرتا ہے۔ اس مقام پر ایسی لطیف حقیقت کا اظہار ہے کہ مخالف جس قدر روکیں قرآن کریم کی اشاعت میں پیدا کریں گے اور اس کی تحقیر کرنا چاہیں گے ہم اس کی قرأت کے سامان پیدا کریں گے اور اس کی عظمت و جلال کا اظہار۔

لوح کے لغوی معنے لکڑی یا لوہے کی تختی کے ہیں۔ اس میں قرآن مجید اپنے ابلغ اسلوبِ بیان سے واضح کرتا ہے کہ یہ ایک کھلی صداقت ہے

جو ہمیشہ پڑھی جاوے گی اس لیئے کہ تختی پر جو چیز لکھی جاوے وہ ہمیشہ پیش نظر رہے گی۔ اور ہر کوئی اسے پڑھ لے گا۔ لیکن ہمیشہ لکھی رہنے کی وجہ سے اس کے مٹانے یا اس میں تصرّف کا احتمال ہو سکتا ہے اسلیئے فرمایا کہ وہ ایسی لوح ہے جو محفوظ ہے۔ اس طرح پر بطور پیشگوئی اور قرآن کریم کی صداقت کی دلیل کے رنگ میں بتایا کہ اس کی خوب اشاعت ہوگی اور وہ کثرت سے پڑھا جاوے گا۔ باایں لوگوں کی دست بُرد سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

اِس مقام سورۃ زخرف میں اِنَّهٗ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ کہہ کر یہ بھی پیشگوئی کی کہ حکمت کے سرچشمے اس سے جاری ہونگے اور قرآن کریم پر عمل کرنے والی قوم کو عالی مراتب دیئے جاوینگے۔ ان کی ترقیات اور عظمت خود قرآن کریم کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ اِس مضمون کو قرآن مجید نے تفصیل سے دوسرے مقامات میں بھی بیان فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(۲۶) سورۃ ق پارہ ۲۶ کی دوسری آیت میں بھی وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ فرمایا۔ اور قرآن مجید کے متعلق اُوپر لکھ آیا ہوں یہاں بھی اس کی مزید صراحت ہے کہ منکرینِ قرآن جس چیز کا انکار کرتے ہیں یعنے قیامت کے وجود کا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک قیامت ہونے کا۔ قرآن مجید اپنی عملی شہادت سے

اس کی تصدیق کر دے گا۔ کیونکہ قرآن مجید دنیا میں ایک نیا نظام مجد پیدا کرے گا۔ اس کے ماننے والی قوم جو دنیا میں حقیر کس مپرسی سمجھی گئی ہے وہ اس کے ذریعہ عزت و شرف حاصل کریگی۔

(۲۷) پھر اسی سورۃ کے آخر میں فرمایا:۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

اس سورۃ کی ابتداء وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ سے کی اور آخر میں فرمایا۔ پس قرآن کریم ہی کے ذریعہ اس شخص یا قوم کو یاد دلاؤ اور نصیحت کرو جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

آغاز میں قیامت کے منکرین کو جواب دیا تھا اور اب یہاں اس انقلاب عظیم اور روحانی قیامت کی طرف توجہ دلائی جو قرآن کریم کے ذریعہ ہونے والی تھی۔ اور ہو کر رہی۔

(۲۸) قرآن کریم کا اسم قرآن پارہ ۱۳ سورہ رعد رکوع ۴ آیت ۳۱ میں آیا ہے۔ فرمایا:۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ

اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ٥

خلاصہ ترجمہ:۔ اگر کوئی ایسا قرآن ہو سکتا ہو کہ جس سے پہاڑوں کو چلا دیا جاوے یا اس سے زمین کاٹ دی جاوے یا اسکے ذریعہ مُردوں سے باتیں کی جائیں (تو وہ بھی قرآن کریم ہے کیونکہ) تمام امور اللہ تعالےٰ ہی کے اختیار و قدرت میں ہیں (اور اسی قرآن کے ذریعہ یہ امور ظہور میں آجائیں گے۔ اس کا ثبوت) کیا مومنوں کو معلوم نہیں ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب لوگوں ہی کو ہدایت دے (مگر یاد رکھو) کہ قرآن مجید کے منکر بھی ہوں گے اور قرآن کریم کی مخالفت کی وجہ سے ان پر سخت مصیبت نازل ہو گی بلکہ یہ مصیبت ان کے گھر پر نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا یعنے یہ وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

وعدہ کیا ہے؟ قرآن کریم کے ذریعہ پہاڑوں کو چلایا جائیگا زمین کاٹ دی جاوے گی۔ مُردے باتیں کرنے لگیں گے اور قرآن کریم کے منکرین اور مخالفین عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہریں گے۔

قرآن کریم کی حیرت انگیز انقلابی قوت اس آیت میں قرآن مجید کی حیرت انگیز انقلابی قوت کا ذکر

کیا گیا ہے اور یہ ذکر پیشگوئی کے رنگ میں ہے۔ یہ سورۃ رعد کی آیت
ہے اور سورۃ رعد مکی سورت ہے۔ مکہ معظمہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اور آپؐ کی مختصر جماعت کی جو حالت تھی وہ ایک تاریخی شہادت
ہے۔ آپؐ پر اور آپؐ کی جماعت پر جو کمزور اور بے کس انسانوں پر
مشتمل تھی ہر قسم کے مظالم روا رکھے جاتے تھے اور اس کو بڑا قومی
کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ مقابلہ میں تمام عمائد اور سربرآوردہ قبائل تھے
جو امرِ مخالفت پر متحد تھے۔ اور ان کی حالت ایک پہاڑ کے مشابہ تھی۔
اس وقت اللہ تعالےٰ یہ پیشگوئی فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی مخالفت
میں اگر پہاڑ بھی آئیں گے تو ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ اور یہ صداقت
قطعاتِ زمین کو چیرتی ہوئی دُنیا میں پھیل جاویگی اور قرآن کریم کی
قوتِ احیاء سے وہ جو آج مُردے سمجھے جاتے ہیں وہ زندہ
کر دیئے جائیں گے۔ اور نہ صرف زندہ بلکہ وہ کلام
کریں گے۔ اور مخالف اپنی مخالفت کا مزہ چکھ لیں گے۔

حقیقت میں یہ ایک بڑی عظیم الشان پیشگوئی اور قرآن کریم
اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک
زندہ اور غیر فانی دلیل ہے
جس کی تفصیل اور تشریح میں آگے بیان کرتا ہوں۔

بعض الفاظ کے معانی اور مفہوم

اس آیت میں سب سے
پہلا لفظ قابلِ بحث یہ ہے

کہ اس آیت کو وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سے شروع کیا ہے۔ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم تو نازل ہو ہی رہا تھا اور موجود تھا۔ یہاں قرآن کریم کی عظمت، شوکت اور قوت و اثر کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی قرآن مجید میں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہو یہ صفات ہونی چاہئیں کہ اس کی عملی قوت و تاثیر ایک ایسا انقلاب پیدا کر دے کہ ماننے والوں کی راہ میں کوئی روک نہ رہے اس لئے بتایا کہ اگر قرآن کریم میں ان قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔ تو یاد رکھو! یہ انقلاب اسی قرآن کے ذریعہ ہو گا۔

جبل سے کیا مراد ہے! پھر اس آیت میں ایک لفظ جبل آیا ہے اور قرآن مجید کی قوت اثر کا یہ نتیجہ بتایا ہے کہ اس کے ذریعہ پہاڑ بھی چلائے جائیں یا دُور کر دیئے جائیں۔ جبل کا لفظ عربی زبان میں پہاڑ اور پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور اس کے معنے سردار قوم اور عالم کے بھی ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مشکلات جو کسی کامیابی کی راہ میں ہوں انہیں بھی پہاڑ ہی کہتے ہیں۔ ہماری زبان میں یہ عام محاورہ ہے کہ اس کام کی راہ میں تو بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ یعنی بڑی بڑی روکیں ہیں۔

قرآن کریم میں یہ قرآن کریم کے صفات اور تاثیرات کے اظہار کے سلسلہ میں دوسری جگہ بھی آیا۔ چنانچہ (۱) سورۃ حشر رکوع ۳۔ آیت ۲۲ میں فرمایا:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ
الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ :- اگر ہم اِس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہُوا لیٹا ہُوا دیکھتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے سورۃ طٰہٰ رکوع ۶ - آیت ۱۰۶ سے ۱۰۸ تک جس کا مفہوم یہ ہے کہ :-

"اور تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں اُن کو جواب دو کہ تم میرے راستہ میں مکّہ کے بڑے بڑے عمائد کی مخالفانہ کوششوں کے پہاڑ روک بتاتے ہو کہ وہ مجھے کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ سنو اور یاد رکھو! میرا رب اُنہیں جڑ سے اکھاڑ کر بکھیر دے گا اور میرے لئے ایک صاف اور ہموار میدان کر دے گا۔ ایسا صاف اور سیدھا کہ اس میں نہ ٹیڑھا پن ہو گا نہ نشیب و فراز۔ اور وہ دن ایسا ہو گا کہ داعی الی الحق (یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم) کی اطاعت اور اتباع کریں گے اور اس دعوت میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں۔ اور رحمٰن کے حضور آوازیں پست ہو جائیں گی پس تو ہلکی آواز کے سوا

کچھ نہ سُنے گا۔"

یہ سورۃ طٰہٰ بھی مکی سورۃ ہے اور اس کے شروع میں ہی قرآن کریم کی کامیابی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اِن آیات میں پہاڑوں کے متعلق سوال کا جواب ہے۔ یہاں پہاڑ سے وہ پہاڑ مراد نہیں جو سطح زمین پر نظر آتے ہیں اور جن میں سب سے بڑا اور اُونچا پہاڑ ہمالیہ پربت ہے بلکہ یہاں اُن پہاڑوں کا ذکر ہے جو عمائدین قوم قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں بطور روک کھڑے تھے۔ ان کے متعلق سوال ہو سکتا تھا کہ اس قدر مشکلات کے پہاڑ راستہ میں ہیں تمہاری کامیابی ناممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان مصیبت کی گھڑیوں میں فرمایا کہ

یہ پہاڑ نہ صرف ٹل جاویں گے بلکہ وہ اتباع کریں گے

پہاڑوں کو اُڑا دینے کا نتیجہ بتا دیا کہ یہی نہیں کہ وہ اڑا دیئے جائیں گے اور راستہ ہموار اور صاف ہو جائے گا بلکہ

داعی کی پکار پر لبیک کہیں گے۔

اور یہ داعی کیسا ہے؟ لَا عِوَجَ لَهٗ جس میں خود کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں۔ یہ قرآن مجید کی بھی صفت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی تصویر بھی ہے۔ قرآن مجید کے متعلق خود سورۃ کہف میں فرمایا گیا ہے اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

اور پھر اس کی اور وضاحت کی کہ آج جو آوازیں قرآن کریم کے

مقابلہ میں بلند ہو رہی ہیں اور قرآن کریم کے سننے سے روکنے والے کہتے ہیں لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ یعنی اس قرآن کو مت سنو اور شور مچاؤ شاید اسی طریق سے تم کو غلبہ حاصل ہو۔

یہ کفار کا منصوبہ اور عمل تھا اور مکی زندگی میں یہی ہوتا تھا کہ جب سرور الاوّلین و آخرین صلے اللہ علیہ وسلم قرآن مجید سناتے اور دعوت حق دیتے تو کفار شور مچاتے۔ اس حالت میں اللہ تعالے فرماتا ہے، کہ آج یہ تمام بڑے بڑے جو دعوت و تبلیغِ اسلام کی راہ میں روک ہیں اور قرآن مجید کو نہ سننے کے لئے شور مچاتے ہیں یاد رکھیں کہ وقت آتا ہے جب یہ تمام مشکلات دُور ہو جائیں گے اور یہی لوگ

داعیٔ حق کی طرف لبّیک کہیں گے

تو ان مخالفوں کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔

نکتہ یہاں فرمایا کہ رحمٰن کے حضور آوازیں پست ہو جائینگی یہاں رحمٰن کا نام لے کر قرآن کریم کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ فافهم و تدبّر!

غرض جبال سے مراد وہ مشکلات اور وہ بڑی طاقتور جماعتیں اور ان کے رأس الرئیس تھے جو قرآن کریم کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان کے متعلق یہاں دعوی کیا گیا ہے کہ وہ اس راستہ سے ہٹا دیئے جاویں گے یا مغلوب ہو کر تباہ ہو جائیں گے یا قرآن کریم

کی اطاعت کریں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشگوئی دائمی ہے

مت سمجھو کہ قرآن مجید کی یہ پیشگوئی صرف مکّہ والوں کیلئے تھی، ہرگز نہیں، اس کا ظہور ہر زمانہ میں ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جب بھی کوئی قوم اور کوئی فرد قرآن مجید سے ٹکر لیگا وہ اس میدان میں لازماً شکست کھائے گا۔ بعض اوقات لوگ قرآن مجید کے الفاظ پر غور نہیں کرتے اور نہ قرآن مجید کے نزول کی تاریخ کے واقعات پر نظر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں دھوکا لگتا ہے اور وہ مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اسلوبِ بیان نہایت لطیف اور بے نظیر ہے اسے واقعات کی روشنی میں دیکھنے سے انسانی روح میں ایک بالیدگی اور ایمان میں بشاشت کی لہریں پیدا ہوتی ہیں قرآن مجید کی اِن آیات کو واقعات کی روشنی میں پڑھو جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا تو کس قدر مشکلات راہ میں تھیں، گویا پہاڑ کھڑے تھے، پھر کیا وہ روکیں اُٹھ گئیں یا نہیں؟

تاریخ اس کی صداقت پر گواہ ہے

اس زمانہ میں (جس میں ہم ہیں)، پھر قرآن مجید کی مخالفت کا شور بلند ہوا۔ عیسائیوں نے، آریوں نے، دہریوں نے اور طبیعات اور سائنس کے ماہرین نے نئی نئی قسم کی روکوں کے پہاڑ قرآن کریم کے مقابلہ میں کھڑے کئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے اپنی بعثتِ ثانیہ کا

تقاضا کیا اور آپ کے ایک غلام میں اس رُوح کا نفخ ہوا جو خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور فیضان کی جاذب ہوتی ہے اور مسیح موعود اور مہدی معہود کے نام سے وہ غلام احمدؐ (فداہ ابی و اُمی) کھڑا ہوا اور اُس نے دعوتِ قرآن کا علَم بلند کیا اور مقابلہ پہ بلایا مگر

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

قرآن مجید کی اس تجلّی کا دوبارہ ظہور ہوا جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ یہ تجلّی علمی اور رحمتی تھی۔ قرآن مجید کی محبت اور اس کی تعلیم سے ایک وابستگی پیدا کر دی گئی۔ اس کی صداقت کو دلائلِ قویّہ سے ثابت کیا اور اس کی تاثیرات کو خوارق سے دکھا دیا۔ قرآن مجید کی عملی اور علمی قوتوں کا لانظیر نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کر دیا اور اب بھی آپ کے جانشین اور خلیفہ (ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) کا دُنیا کے سامنے قرآن مجید کی برتری ثابت کرنے کا عام اعلان ہے غرض قرآن مجید کی پہلی صفت کے رو سے جو اس آیت میں بیان کی ہے پہاڑوں کے چلائے جانے کے معنے اُوپر بیان کئے جا چکے ہیں میں نے بتایا ہے کہ یہ پیشگوئی مختص المقام والزمان نہ تھی اس کا ظہور ہر زمانہ میں ہوتا رہے گا۔

ظاہری معنوں کے لحاظ سے

اگر جبل سے مراد وہ پہاڑ ہی ہوں جو سطحِ زمین پر قائم ہیں تو

آج سائنس کی ایجادات اور ملکوں اور قوموں کی ضروریات نے سیاسی ہوں یا معاشی بیماروں کے چلائے جانے کا نقشہ بھی دکھا دیا کہ ڈائنا میٹ کے ذریعہ اُن کو اُڑا دیا گیا یا ان میں سُرنگیں لگا کر راستے بنا دیئے اور یا زلازل نے طبعی اصولوں کے ماتحت اپنا عمل کر کے

قرآن مجید کی صداقت کا اعلان کر دیا

اس طرح پر قرآن کریم مادی تغیرات کے متعلق پیشگوئیوں کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے۔

مشکلات بھی کئی قسم کی ہو سکتی ہیں مگر قرآن مجید ہر مشکل کا وہ قومی ہو یا انفرادی۔ سیاسی ہو یا اخلاقی ان سب کے حل کی کلید ہے۔ ہاں یہ کلید ہر کس و ناکس کو نہیں دی جاتی بلکہ اُسی کو دی جاتی ہے جس کے لئے خدا تعالےٰ نے خود فرمایا کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ کامل طہارتِ نفس رکھنے والا انسان اِس کلید کا اہل ہوتا ہے

عہدِ حاضرہ کا امین کلیدِ قرآنی

عہدِ حاضرہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد وہ امانت (مشکلاتِ قرآن کی کلید) کی تھی اور آپ کے بعد وہ کلید اس شخص کو دی گئی جو اس کی ذریت اور اس کی اپنی شاخ ہے یعنے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح والمہدی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز آپ کو خاص فہم قرآن کریم کا دیا گیا ہے۔ آپ نے اِس آیت

کی جو تفسیر فرمائی ہے میں اپنے اِس دعوے کے ثبوت اور تبرک کے طور پر یہاں درج کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"یعنی اگر کوئی اِن صفات والا قرآن ہو جو اِس آیت میں بیان ہوئی ہیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں یہ مراد نہیں کہ قرآن میں یہ صفات نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کریم سے یہ صفات ظاہر ہوں گی مگر پھر بھی یہ لوگ فائدہ نہ اُٹھائیں گے۔ جیسے حدیث میں ہے لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ نہ ایمان ثریا پر چلا گیا ہو اور نہ رجل فارس اسے واپس لائے گا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایمان ایک دن ثریا سے معلق ہو جائے گا اور رجل فارس اسے واپس لائے گا پس اِس جگہ کفّار کی سنگدلی ظاہر کرنی مقصود ہے۔

جو صفات اِس جگہ قرآن کریم کی بتائی ہیں وہ یہ ہیں (۱) سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ۔ اس کے ذریعہ سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا جائے۔ ظاہری معنے لئے جا دیں تو مراد یہ ہوگی کہ اس میں شدید زلازل کی خبر دی گئی ہو۔ جن سے پہاڑوں کی چوٹیاں اپنی جگہوں سے ہل جائیں۔ قرآن کریم میں ایسی زبردست پیشگوئیاں مادی تغیرات کی موجود ہیں جیسا کہ سورۃ زلزال میں۔ اور اگر استعارہ مراد لیا جائے تو معنے یہ ہوں گے کہ بڑی بڑی مشکلات دُور کر دی جائیں۔ کیونکہ پہاڑ استعارۃً

مصیبت اور مشکل کو بھی کہتے ہیں۔ یہ صفت بھی قرآن کریم میں موجود ہے کہ علمی، اخلاقی، روحانی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی، قومی مشکلات کا حل قرآن کریم نے ایسا کیا ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور اگر جبیل کے دوسرے معنے لئے جائیں جو سردارِ قوم یا عالم کے ہیں تو اس طرح بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ قرآن کے ذریعہ سے پرانے سردار بھی اُڑ گئے اور پرانے عالم بھی۔ اس نے سیادت کا بھی ڈھنگ بدل دیا بادشاہت کی جگہ خلافت کو قائم کیا۔ اور علم کا پرانا مفہوم جو وہم اور تخمین پر مبنی تھا اس کی جگہ تجربہ مشاہدہ اور خواص اشیاء پر علم کی بنیاد رکھی۔ تمام قرآن کریم اس مضمون سے پُر ہے کہ وہم کی جگہ فکر اور عقل سے کام لو۔ اور سیاروں پہاڑوں دریاؤں، شہروں، موسمی تغیرات اور خواصِ اشیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھو اور مشاہدہ سے اس کی حقیقت دریافت کرو۔ کہ یہ سب کچھ تمہارے فائدہ اور خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے پس قرآن کریم نے پُرانی سیاست اور پُرانے علم کو بالکل بدل دیا اور دونوں امور کے متعلق نیا نقطۂ نگاہ دُنیا کے سامنے پیش کرکے گویا ایک نئی دُنیا بسادی۔

(۲) دوسری صفت قَطِعَ اَرْض بتائی۔ قطع ارض کے معنے مسافت کے چھوٹا ہو جانے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ کتاب

سب زمین میں آسانی سے پھیل جائے۔ اور یہ بھی کہ زمین اسکے ذریعہ سے کاٹ لی جائے یعنی اس کی پیشگوئیوں کے مطابق دشمنوں کا علاقہ کاٹ کر مسلمانوں کو دے دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں بھی قرآن کریم کو حاصل ہوئیں۔ یعنی آناً فاناً وہ دُنیا میں پھیل بھی گیا۔ اور اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا جوش پیدا کر دیا کہ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر سب دُنیا میں پھیل گئے۔ اور ایک نسل کے اندر ساری دُنیا پر اُس کے ماننے والے چھا گئے۔ اور یہ بھی ہوا کہ اس کی برکت سے اور اس کی پیشگوئیوں کے مطابق اس کے مخالفوں کے مُلک کاٹ کاٹ کر مسلمانوں کے مُلک میں شامل کر دیئے گئے۔

(۳) تیسری صفت یہ بتائی کہ اس کے ذریعہ سے مُردوں کو بلوایا جائے۔ اس کے بھی کئی معنے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کی شہادت میں مُردے بولنے لگ جائیں۔ چونکہ مُردوں کا اس دُنیا میں زندہ ہونا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے ان معنوں کو مدِّنظر رکھ کر اس کے یہ معنے ہوں گے کہ مُردے خواب میں آکر بولیں یا کشف میں بولیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ لوگ اپنے آباء کی شہادت کو بہت مانتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی دیکھا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کئی لوگ دلائل سے مان لیتے ہیں۔ لیکن

پھر بھی یہ خواہش کرتے ہیں کہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو۔ اور وہ کہدیں تو ہم مان لیں گے۔ یورپ میں اس وقت سپرچولزم کی طرف شدید میلان بھی اسی خواہش کی وجہ سے ہے۔ پس اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے آباء سے شدید تعلق رکھتے ہیں اور بظاہر دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہمارے وفات یافتہ آباء کہہ دیں تو ہم مان لیں گے۔ لیکن جب آباء کی شہادتیں تورات و انجیل سے پیش کی جائیں تو پھر انکار کر دیتے ہیں یا حضرت ابراہیمؑ کی شہادت مکہ والوں کو پیش کی جائے تو بھی منکر ہی رہتے ہیں۔ یا پھر لوگوں کو خوابوں اور کشوف میں ان کے آباء آ کر قرآن کریم کی صداقت پر گواہی دیں۔ تب بھی ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی دیکھا ہے کہ کئی لوگ تو رؤیا پر ایمان لاتے ہیں۔ کئی لوگوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے بزرگ بھی رؤیا میں نظر آ کر مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی شہادت دے جاتے ہیں۔ مگر لوگ نہیں مانتے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہزارہا آدمیوں کو رؤیا اور کشوف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی وفات یافتہ بزرگوں کی زبانی بتائی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہی سلسلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں بھی تھا۔ مگر آجکل کی طرح اُس زمانہ میں بھی کئی لوگ ان رؤیا اور کشوف سے فائدہ نہ اُٹھاتے تھے۔

مُردوں کے بُلوائے جانے کے دوسرے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ جو لوگ رُوحانی مُردے تھے قرآن کریم کے ذریعہ سے اُنہیں بُلوا دیا جائے گا۔ یعنی وہ صرف زندہ ہی نہ ہو جائینگے بلکہ بولنے بھی لگیں گے۔ یعنی اعلیٰ علوم ان کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ اور دُنیا کے لئے ہادی ہو جائیں گے۔ قرآن کریم میں متواتر روحانیت سے محروم لوگوں کو مُردہ کہا گیا ہے اور ان کے روحانیت حاصل کرنے کو زندگی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (انفال ع ۳) اے مومنو! جب خدا اور اس کا رسول تم کو زندہ کرنے کے لئے بُلایا کریں تو ان کی آواز کو قبول کیا کرو۔ پس معلوم ہُوا قرآنی اصطلاح کی رو سے روحانیت سے بُعد موت اور اس کا حصول زندگی کہلاتا ہے۔ ان معنوں کی رُو سے مُردوں کے بُلوا دینے کے معنے روحانیت سے دُور لوگوں کا اسلام لانا اور رُوحانیت میں ترقی کرکے دُنیا کیلئے ہادی ہو جانا لئے جائیں گے۔ چنانچہ اس کی مثالیں بکثرت شروع اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسے اشد

مخالف جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے اسلام لاکر انہوں نے کس قدر اسلام کے لئے قربانی کی اور اسلام کی اشاعت میں کس قدر حصہ لیا۔ ایسا ہی خالد بن ولیدؓ جو بڑے مخالف اور دشمن تھے بعد میں مسلمان ہو کر اسلام کے لئے ایک نہایت مفید وجود ثابت ہوئے۔ ایسا ہی عکرمہ جو ابو جہل کے لڑکے تھے اور اسلام کے خطرناک مخالف تھے آخر اسلام لائے اور اشاعتِ اسلام میں جان تک کی پرواہ نہ کی۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا۔ سب امور خدا تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ یعنی مذکورہ بالا امور بظاہر ناممکن معلوم ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ لوگے کہ کس طرح یہ نشان قرآن کریم کی تائید میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اَفَلَمْ يَايْئَسِ۔ جیسا کہ حل لغات میں بتایا گیا ہے يَايْئَسِ کے معنی اس جگہ يَعْلَمُ کے ہیں۔ یعنی کیا مومنوں کو یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ سب کو ہدایت دے۔ اور آگے اس ہدایت کا وقت بتایا کہ کفار پر عذاب پر عذاب آئیں گے اور لشکر کے بعد لشکر چڑھائی کرے گا۔ (قارعۃ سے مراد لشکر ہے) اور آخری لشکر ان کے گھروں کے پاس جاکر اُترے گا۔ یعنی مکہ پر حملہ ہوگا۔ تب وہ اوپر کا

وعدہ پُورا ہوگا۔ یعنی یہ وعدہ کہ خدا چاہے تو سب کو ہدایت دیدے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ متواتر اسلام اور اس کے دشمنوں میں جنگیں جاری رہیں اور وہ لوگ جن کے متعلق پیشگوئی تھی کہ سب نشان دیکھ کر بھی نہ مانیں گے ہلاک ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر مکّہ کے قریب جا اُترا۔ یعنی فتح مکّہ کا دن آگیا۔ تب خدا کا وعدہ پُورا ہوا اور سب ہی کو اس نے ہدایت دیدی۔ تمام عرب ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام لے آیا۔ اللہ! اللہ! کیسی زبردست پیشگوئی ہے اور کس طرح تفصیلاً اسلام کی ترقی کا ذکر قبل از وقت کیا گیا ہے۔ جو لفظاً لفظاً پورا ہو کر قرآن کریم کی صداقت کا شاہد ہے۔ مگر افسوس کہ دل کے اندھے اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ خود مسلمان کہلانے والے اِن علوم سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ خدا تعالےٰ یقیناً اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا کوئی وعدہ ہے جس کے متعلق فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے اِس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ وہ وعدہ وہی ہے جو دوسری جگہ فرمایا کہ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ یعنی ہم ضرور تجھ کو معاد میں یعنی مکّہ میں واپس لائینگے۔

جو دُنیا کے لئے رجوع کا مقام ہے۔ یہ سورۃ مکّی ہے۔ اس میں اِس آیت کا آنا کئی پیشگوئیوں کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ (۱) یہ کہ آپ مکّہ سے ہجرت کر کے جائیں گے (۲) پھر وہاں سے مکّہ واپس آئیں گے (۳) پھر یہ بھی کہ اس جانے کے بعد لڑائیاں ہوں گی۔ ٹھکرانے والے لشکر حملہ آور ہوتے رہیں گے۔ (۴) حتیٰ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود ان کے پاس اُتریں گے۔ (۵) تب اللہ تعالےٰ کا وعدہ کامل طور پر پُورا ہو گا یعنی مکّہ فتح ہو گا" ؎

حضرت اولوالعزم ایّدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تفسیر میں قرآن مجید کے اِن صفات پر کامل بحث ہو گئی ہے اس لئے اِس پر ہی اِس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

ایک نکتہ معرفت

سورۃ قٓ کی مندرجہ بالا آیات میں قرآن کریم کا نام مذکور ہوا ہے۔ اور میں ایک مختصر نوٹ اوپر لکھ چکا ہوں۔ مگر یہاں ایک نکتہ معرفت بیان کرنے کے لئے اپنے قلب میں جوش پاتا ہوں۔ اور اس کے بیان کرنے پر بے اختیار ہوں۔

قرآن کریم کی صفات میں بعض ان صفات کا ذکر صراحتہً یا اشارۃً ہے جو خود اللہ تعالےٰ کی صفات ہیں۔ اسی طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض ان صفات سے خطاب کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات،

ہیں۔ ان صفات الٰہیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں کیس قدر تعلق ہے۔ مثلاً یہاں سورۃ ق میں قرآن کی صفت مجید بیان کی۔ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۔ اور مجید اللہ تعالیٰ کا نام ہے اسکے معنوں میں یہ بات داخل ہے کہ اس کا فضل نہایت وسیع ہے اور ہر قسم کی مجد کا سرچشمہ ہے۔ اور یہاں قرآن کو القرآن المجید کہا ہے۔ اور مجید کہنے کا یہی مطلب ہے کہ قرآن کریم بھی عطا کے فضل میں بہت بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اور ان عطایائے شرف ومجد میں کسی خاص زمانہ اور خاص ملک یا قوم کی تخصیص نہیں بلکہ یہ کہ اس قرآنی عطا کا سلسلہ لا انتہائی اور دائمی ہے۔ اس فضل کو قرآن کریم نے مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے۔ کبھی تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہا۔ کبھی قرآن کریم کہا۔ کبھی کتاب عزیز کے نام سے ظاہر کیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کے اسماء سے قرآن کریم کو منسوب وموسوم کرنا اپنے اندر یہ حقیقت رکھتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ان صفات کا موصوف قرار دینا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیوض وبرکات کی وسعت اور دائمی افادیت پر ایک دلیل ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

(۲۹) پارہ ۲۷ سورۃ واقعہ رکوع ۳۔ آیت ۷۷، ۷۸، ۷۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۙ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ یقیناً یہ قرآن کریم ہے (نفع رساں ہے۔ معزز کرنیوالا ہے۔ اس کا فیضان عام ہے) یہ محفوظ کتاب میں ہے۔ اس کے اسرار و معارف سے پاک نفس لوگ بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ تو کیا تم اس کلام کو جھوٹا قرار دیتے ہو؟ اور تم اسے اپنا حصہ ٹھہراتے ہو کہ تم اسکی تکذیب کرو۔

اس آیت میں قرآن کریم کو کریم کہا گیا ہے۔ اور اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور قرآن کریم کے ہر حصہ کو ایک شاہد عدل قرار دیا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

کریم کے معنے میں عزت و عظمت کا مفہوم داخل ہے۔ اور کریم انتہائی درجہ کا کام کرنے والا اور نفع رساں وجود ہوتا ہے۔ اور اس کی نفع رسانی کسی اجر اور صلہ کے لئے نہیں ہوتی۔ گویا اس کی فطرت ہی نفع رساں ہوتی ہے۔ بلکہ کریم ساری خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنے والے پر بھی بولا جاتا ہے۔

اس صفت کو مدنظر رکھ کر جب ہم دیکھتے ہیں تو قرآن مجید ہر پہلو سے اس کا مصداق ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح پر کہ :۔

(۱) کریم کے مفہوم میں یہ امر داخل ہے کہ وہ نافع الناس ہو اور بے انتہا سخاوت کرنے والا ہو۔ جب قرآن مجید کے دائرہ عمل کریم کو دیکھتے ہیں تو صاف پایا جاتا ہے کہ اس کی دعوت کل نسلِ انسانی کی طرف ہے۔ جس میں قومیت، وطنیت اور رنگ کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اور ہر شخص اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس صداقت پر ایمان لا کر اس پر عمل کرے۔ اس لئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم شِفَاءٌ لِّلنَّاس ہے۔

اور اس طرح یہ اس کی ہر آیت ہر حصہ نسلِ انسانی کے لئے نفع رساں ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور سلوک کی ہر منزل میں ایسے اصول تعلیم کرتا ہے جو ہر پہلو سے اپنے اندر افادی قوت رکھتا ہے۔ اس کو ایک دوسرے مقام میں اصولی طور پر یہ کہہ کر واضح کیا کہ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ہر وہ چیز جو نافع الناس ہے اسے زمین میں بقاء و دوام عطا کیا جاتا ہے اور قائم رکھا جاتا ہے۔ اس میں قرآن مجید کی دائمی حفاظت کا وعدہ بھی موجود ہے۔

پھر کریم کے معنوں میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ خود معزز ہو۔ اور دوسروں کو بھی معزز بنا دے۔ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کر کے اول الحاملین قرآن مجید نے جو مقامِ عزت و اکرام حاصل کیا وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ صحابہؓ کے نام کے ساتھ صحابہ کرام ہی بولا جاتا ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں کوئی مقام نہ رکھنے والی قوم عزت و شرف کے اس مقام

پہنچی کہ

اس کی نظیر دُنیا کے انقلاب میں نہیں ملتی

قرآن مجید نے عزت و اکرام کا معیار بدل ڈالا۔ دولت یا نسب کے لحاظ سے مقامِ تکریم قائم نہ کیا بلکہ فرمایا

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

خدا تعالےٰ کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اور قرآن مجید کا مقصدِ نزول یہ بتایا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اِن آیات پر یکجائی نظر کرو تو حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کس طرح مکرم بناتا ہے۔ اس حقیقت کو سورۃ عبس میں اور بھی واضح کیا ہے جہاں قرآن کریم کے متعلق فرمایا فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ میں اس پہ پہلے بحث کر چکا ہوں اور ان مختصر نوٹوں میں مجھے اشارات کرنا ہے تاکہ قارئین کرام میں ذوقِ قرآن پیدا کر دوں۔ اور تدبر فی القرآن کی قوتوں میں بیداری پیدا ہو۔

فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ قرآن مجید محفوظ کتاب میں ہے۔ مکنون کا لفظ اپنے اندر کئی قسم کی پیشگوئیاں رکھتا ہے۔ اور قرآن مجید کی عظمت و حفاظت اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح پر کہ مکنون کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دشمنوں کے ہر قسم کے حملوں سے محفوظ ہے۔ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح پر بیان کیا کہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

باطل اس پر آگے یا پیچھے کی طرف سے حملہ نہیں کر سکتا۔ یہ قرآن کریم کی

اعجازی حفاظت کا مظاہرہ ہے

دشمن اپنی ہر کوشش میں ناکام رہے گا جو وہ قرآن کریم پر حملے کے لئے کریگا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ نہ فلسفیوں کے اعتراض نہ سائنس کے حملے اور نہ دوسرے لوگوں کی کوششیں قرآن مجید کی تعلیم کو مٹا سکیں بلکہ ہر حملہ اسکی جلالت شان کو ظاہر کرتا ہے۔

کتابِ مکنون سے یہ بھی مراد ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم تو فطرت انسانی میں محفوظ ہے۔ ہر وہ تحریک جو انسانی فطرت کو ابھار سکتی اور اسے صحیح رنگ میں نشو و نما دے سکتی ہے قرآن میں بتفصیل موجود ہے۔ اور ہر وہ شئے جو فطرتِ انسانی کو بگاڑتی ہے قرآن مجید اس سے پاک ہے۔ گویا صحیح فطرتِ انسانی کے تمام صحیح تقاضوں کو یہ کتاب (قرآن کریم) پورا کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید اسلام کو دین الفطرۃ قرار دیتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح یوں فرمائی۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ۔ کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام لے کر آتا ہے۔ پس قرآن مجید کی تعلیم اسی کتابِ مکنون میں موجود ہے۔ اور کتابِ مکنون سے کائناتِ عالم یا قانونِ قدرت بھی مراد ہے۔ علوم صحیحہ اور سائنس کی ترقیات قرآن کریم کی صداقت کے دلائل ہوں گے۔

قرآنی حقائق کے معلوم کرنیکا ذریعہ

پھر فرمایا اسرار قرآنی اُن لوگوں پر کھلتے ہیں جو مطہر ہیں۔ قرآن مجید کی اپنی صفت (جیساکہ سورۃ عبس میں آیا ہے) بھی مطہرۃ ہے۔ یعنی ہر قسم کی پاک باتیں اس میں موجود ہیں۔ اور وہ ہر قسم کی پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ تزکیۂ نفس اور طہارت قلب کی ایک زبردست تاثیر اور قوت رکھتا ہے اور اس لیئے فرمایا کہ یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ جس جس قدر انسان اپنے نفس کو پاک کرتا جاویگا اور قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرتا جاویگا اسی قدر قرآنی علوم و حقائق سے وہ حصۂ وافر پائے گا۔ قرآن کریم کا یہ کمال ہے کہ اس کی افادیت اور فیض رسانی کے لیئے جس جدّ وجہد کی ضرورت ہے وہ طہارتِ نفس اور تزکیۂ باطن ہے۔ اس لیئے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مقصد کے لیئے ہوا ہے۔ اور جس جس قدر انسان قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرکے تزکیۂ نفس کرتا جائے گا، اسی قدر اس کی فطرت قرآن کریم سے مناسبت حاصل کرکے ان خزائنِ قرآنی سے آگاہ ہوتی جاویگی جو ناپاک اور نااہلوں پر نہیں کھل سکتے۔

یہ قرآن کریم کی ایک علمی فضیلت ہے دوسری کتابوں پر۔ اور قرآن کریم کے حقائق و معارف کی کلید صرف طہارتِ باطنی ہے جو اس پر عمل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بے عمل عالموں کو کَمَثَلِ الْحِمَارِ قرار دیا ہے۔ کیا ہی لطیف فرمایا حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے ؎

علم آں بود کہ نورِ فراست رفیقِ اوست
ایں علمِ تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم

قرآن کریم کا یہ اعلان کہ لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ انسانی فطرت کی پاکیزہ صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے۔ انسان جو غیر معلوم اشیاء و اسرار کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر تڑپ رکھتا ہے وہ اسے مشعلِ راہ بنائے گا کہ علومِ قرآنی کے اسرار و حقائق کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اور ہم اس پر تاریخی ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ اور دُنیا جانتی ہے کہ وہ قوم جس نے قرآن کریم کے ذریعہ اپنے نفسوں کو پاک کیا قرآن کریم نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا۔ وللہ الحمد

(۲۹) پارہ ۲۸ سورۃ حشر رکوع ۳ آیت ۲۱ میں اسم قرآن کا ذکر اس طرح پر فرمایا:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے گرا ہوا اور لیٹا ہوا ہے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ فکر کریں۔ یعنی وہ اپنی قوتِ فکر سے کام لیں۔

یہاں قرآن مجید کی قوت و عظمت و جلال کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی اور حقیقت رکھتا ہے۔ جَبَلٌ کا لفظ لغتِ عرب میں عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے جو اپنی قوت اور استحکام کی وجہ سے پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں جسے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں دے سکتا۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت تک تو ایسے مادے ایجاد نہ ہوئے تھے جیسے ڈائنامیٹ ہے کہ جس سے پہاڑ اُڑائے جاسکیں مگر قرآن مجید میں پہاڑوں کے اُڑائے جانے کی پیشگوئیاں موجود ہیں جو اپنی ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں میں پُوری ہوئیں۔

جَبَلٌ کے معنے جیسا کہ میں نے کہا ہے بڑے آدمیوں کے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی یہی معنے مراد ہیں۔ اور اس میں قرآن کریم کی جلالتِ شان کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں آکر بڑے سے بڑے پہاڑ بھی قائم نہیں رہ سکیں گے۔ اور اگر حکومتیں بھی اپنی ساری طاقتوں کو لے کر مقابلہ کریں گی تو وہ ریزہ ریزہ کر دی جائیں گی۔ چنانچہ جن حکومتوں اور جتھوں اور عمائدین نے اپنی متحد طاقت سے قرآن کریم کا مقابلہ کیا وہ مغلوب ہوگئیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کفار و مشرکینِ عرب کی طاقتیں سرنگوں ہوگئیں، اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قرآن کریم کی حکومت وادیٔ غیر ذی زرع سے نکل کر اکنافِ عالم میں پھیل گئی۔

مذہب کی تاریخ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو قرآن کریم کو مٹا دینے اور مغلوب کرنے کی جس قدر کوششیں کی گئی ہیں کسی اور کتاب کے مقابلہ میں

نہیں ہوئیں۔ لیکن قرآن کریم اِن تمام روکوں اور مخالفتوں کو دُور کرتے ہوئے غالب آیا۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ کا وعدہ تھا اور اس نے اس کا نام الْکِتٰبُ الْعَزِیْز رکھ کر بتا دیا تھا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

اس آیت میں جیسا کہ کسی قدر میں نے اُوپر بیان کیا ہے پہاڑوں سے مراد وہ پہاڑ مراد نہیں جو سطح زمین پر ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ پہاڑ مراد ہیں جو قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ کی راہ میں روکیں ہیں اور کفار اور معترضین قرآن آئے دن کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ اس کا قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ۔ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ سطح زمین پر پھیلے ہوئے پہاڑوں کو تو ہر شخص مومن ہو یا کافر ہو دیکھتا ہے۔ اس لئے کسی سوال کی حاجت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہیں جو تبلیغِ اسلام و قرآن کے راستہ میں کھڑے کئے گئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ۔ کہدو کہ میرا رب اِن تمام مشکلات کے پہاڑوں کو اُڑا دیگا۔ ایسا کہ ان کی جڑ بنیاد، نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ اور اس طرح پر اُڑا دیا جا دیگا کہ وہ گویا ایک چٹیل اور ہموار میدان ہو جاویں گے وہ ایسے صاف ہو جائیں گے کہ ان میں نشیب و فراز کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اور نتیجہ کیا ہوگا؟

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ
خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا

هَمْسًا ۝ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۸)

یعنی اس دن میں لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اس داعی الی اللہ کی پیروی کریں گے جس کی تعلیم و دعوت میں کسی قسم کی کجی نہیں اور وہ آوازیں جو قرآن کریم کی مخالفت میں بلند ہوتی تھیں رحمٰن کے حضور گر جائیں گی اور مخالفت کی بجائے ذکرِ الٰہی اور حمدِ الٰہی میں رطب اللسان ہوں گی۔

مَیں نے شروع میں کہا ہے کہ قرآن مجید میں ایک ایسی ڈائنامیٹ قوت ہے کہ وہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ سورۃ طٰہٰ کی ان آیات میں جو ابھی مَیں نے جِبَال کی تصریح کے سلسلہ میں پیش کی ہیں قرآن مجید کی اس قوتِ جلالی کا ذکر کیا ہے۔ اور یہاں صراحتہً بلا تاویل قرآن مجید کے مخالفین ان کی مساعی اور ناکامی اور قرآن کریم کی کامیابی اور آخری فتح کا ذکر بطور پیشگوئی فرمایا ہے۔ یہ میرا ایک ذوقی خیال نہیں قرآن مجید کے ان الفاظ میں صراحت ہے۔ مثلاً اوّل جِبَال کے متعلق سوال اور قرآن مجید سے اس کا تعلق وہ اس آیت سے ظاہر ہے جو سورہ حشر کی مَیں نے اُوپر لکھی ہے اور جس کی تفسیر کے ضمن میں سورہ طٰہٰ کی یہ آیت پیش کی ہے۔

دوم۔ دَاعِيَ (قرآن کریم) کی صفت یہاں بیان کی ہے۔ لَا عِوَجَ لَہٗ۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں۔ اور یہ صفت قرآن کریم کی دوسرے مقامات پر بھی آئی ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (سورہ

زمرآیت ۲۹) اور اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ
يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ (سورہ کہف ابتدائی آیات)

سوم - یہاں فرمایا ہے خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ
رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہوجائیں گی - بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رحمٰن کے
حضور آوازوں کے پست ہونے کا یہاں کیا تعلق ہے؟ بات بہت واضح
ہے ذرا سے تدبّر کی ضرورت ہے - قرآن مجید کا نزول اللہ تعالیٰ کی صفت
رحمانیّت کا نتیجہ ہے - اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اسلئے
رحمٰن کے حضور آوازوں کے پست ہونے سے مراد قرآن کریم کے مقابلہ
میں ہر بلند کی ہوئی آواز پست ہوجائے گی اور قرآن کریم سے یہ ظاہر
ہے کہ اس کے مقابلہ کے لئے آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور کی جاتی رہینگی
اور ہمیشہ ان آوازوں کو دب جانا پڑے گا - ابتداء میں کفار یہ سمجھتے تھے
کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو شور مچایا کرو - اور اسے ہی اپنی کامیابی
کا ذریعہ سمجھتے تھے - چنانچہ قرآن کریم میں ان کے اس فعل کا ذکر آیا ہے -

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

یعنی اس قرآن کو مت سنو اور اس کی تلاوت و دعوت کے
وقت شور مچاؤ تاکہ تم کو غلبہ ہوجاوے -

یہاں اللہ تعالےٰ نے بطور پیشگوئی بتایا کہ وقت آرہا ہے کہ یہ تمام شور
و غوغا مٹ جاویگا اور یہ آوازے جو آج کسے جارہے ہیں یہ ذکر الٰہی

اور حمد الٰہی سے تبدیل ہو جائیں گے۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ
قرآن کریم کے ذریعہ یہ انقلاب عظیم ہو کر رہا۔

اور ہر زمانہ اور عہد میں جس رنگ میں قرآن مجید کے خلاف آواز بلند ہوئی وہ پست ہو کر رہی۔ جس نے سر اُٹھایا اور پہاڑ بن کر اس کے رستہ میں کھڑا ہوا وہی چکنا چور ہوا۔

اس سلسلہ میں بہت کچھ بیان کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ محض خیالی باتیں نہیں حقائق اور واقعات ہیں مگر افسوس ہے کہ باوجود طبیعت میں جوش کے میں موضوع کتاب کے لحاظ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا ورنہ

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

(۳۰) پارہ ۲۷۔ سورۃ قمر۔ رکوع اول میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

ترجمہ :۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کریم کو عزت و شرف حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ پس کیا کوئی ہے جو اس کے ذریعہ عزت و شرف حاصل کرے۔

(نوٹ) اس آیت میں قرآن کریم کے مقصدِ عظیم اور اس مقصد کے حصول کے ذریعہ کو بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کوئی ایسی تعلیم اور قانون پیش نہیں کرتا جو قابلِ عمل نہ ہو خواہ اس کے اسباب کچھ ہی ہوں۔ یہ اس عقیدہ کا بطلان ہے جو عیسائیوں نے بنا رکھا ہے۔

کہ نعوذ باللہ شریعت لعنت ہے اور اس پر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق بڑی بڑی موشگافیاں کی گئی ہیں کہ قرآن کریم کے آسان ہونے کا کیا مطلب ہے۔ میں قرآن مجید کے آسان ہونے کی مختلف صورتیں بہ تفصیل بیان کر سکتا ہوں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک

مگر اس چھوٹی سی کتاب کا موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو اسماء قرآنی بیان ہوئے ہیں ان کی حقیقت اور تشریح بیان کروں۔ اور یہ کہ ہر ایک نام قرآن مجید کی عظمت کے کسی نہ کسی پہلو کو لئے ہوئے ہے۔

قرآن مجید کے نزول کا مقصد تو ہدایتِ انسانی ہے۔ اور اس کو ایسے راستہ پر چلنے کا دستور العمل بتاتا ہے جو اسے ایسے مقامِ عبودیت پر کھڑا کر کے شرفِ انسانی کا پیکر بنا دے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے خلق انسانی کی علتِ غائی یہ بتائی

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

اور جب وہ اس مقصد کو اپنی عملی زندگی سے پورا کرتا ہے تو اس کا آخری مقام وہ ہوتا ہے جہاں وہ عباد اللہ میں داخل ہو جاتا اور نفس مطمئنہ پا کر ابدی جنت پا لیتا ہے۔ اور اسے پھر انسان کے لفظ سے خطاب نہیں ہوتا بلکہ نفس مطمئنہ سے خطاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝

میری یہ حالت ہے کہ ہر مقام پہ ایک حقائق و معارفِ قرآنی کے بیان کرنیکی موج میرے قلب میں اُٹھتی ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ

چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را

غرض اِس مقصد کے حصول کے لئے جو یہ آیت نامہ ہو اس کی ہر آیت سہل اور آسان تر ہو۔ جس سے ہر شخص اپنے فہم و فکر کے موافق استفادہ کرسکے۔ اِس آیت کے مفہوم کو بآسانی سمجھنے کے لئے

ایک گُر بتا دیتا ہوں

یہ آیت سورۃ قمر میں واقع ہوئی ہے اور اس سورۃ میں چار مرتبہ اس کو دہرایا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ نبوّت میں نازل ہوئی اور اس میں کفارِ مکّہ کی اس طاقت و قوت کے خاتمہ کی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کے لئے منفرداً و مجتمعاً استعمال کرتے تھے۔ اور یہ ایک واقعہ کے رنگ میں بہت جلد پوری ہوجانے والی تھی۔ لیکن بہرحال جب یہ آیات نازل ہورہی تھیں اُس وقت اس کے آثار و علامات تو ظاہر نہ تھے بلکہ بظاہر مخالف تھے کہ تمام اہلِ مکّہ مخالفت کے لئے متحد ہوچکے تھے اور مقابلہ میں چند آدمیوں کی ایک ایسی جماعت تھی جسکے پاس نہ کوئی طاقت تھی۔ نہ سامان تھا۔ اِس بے سروسامانی کی حالت میں اس مخالف قوت و جماعت کی شکست فاش کا اعلان کیا جارہا تھا۔ اس پیشگوئی کی صداقت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس سورۃ

میں واضح کیا کہ انسانی فطرت چاہتی ہے کہ اسے شرف و عزت حاصل ہو اس کا نام دنیا کی تاریخ میں ہو۔ یہ مقصد صرف

قرآن کریم پر عمل کرنے سے حاصل ہو گا

یہاں قرآن کریم کے آسان ہونے کی ایک شق کو نمایاں کیا ہے لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ۔ عظمت و عزت اور تاریخی قوم بننے کے لئے ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ کس طرح یہ آسان کیا؟ اس کے لئے سورۃ کی ترتیب کو دیکھو

اوّلاً :۔ یہ اعلان کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ موجودہ عربوں کی وہ شان و شوکت ختم ہو جائے جس پہ ان کو ناز ہے اب ان میں ایک عہد جدید شروع ہو گا۔ اور ان کی عظمت کی بنیادیں ان اصولوں پر قائم ہوں گی جو قرآن کریم پیش کرتا ہے اس کا نام قرآن مجید نے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ رکھا۔

ثانیاً :۔ بتایا کہ ان کے پاس منبہات (تنبیہہ کرنیوالی باتیں) آ چکی ہیں، منبہات ہی نہیں وہ وہ کَلِمَةٌ بَالِغَةٌ ہے۔ پھر اس انقلاب عظیم کے آثار و علامات کو بتایا۔

ثالثاً :۔ اس انذار کی حقیقت کا یقین دلانے کے لئے قرآن کریم نے ان تاریخی واقعات کو بیان کیا جن کو وہ جانتے تھے۔ چنانچہ

(۱) قوم نوحؑ کا ذکر کیا۔ قوم نے نوحؑ کی مخالفت کی اور نوحؑ نے انہیں رشد و ہدایت کی طرف بلایا۔ مخالفت جب انتہا کو پہنچ گئی تو

طوفانِ نوحؑ میں اس قوم کو غرق کردیا۔ اور صرف اس جماعت کو بچالیا جو نوحؑ کے متبع تھی۔ اس واقعہ کو بیان کرکے فرمایا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ۔ تم ہی بتاؤ ہمارا انذار اور عذاب کیسا تھا؟ اور اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ قرآن مجید مقامِ عزّت و شرف حاصل کرنے کے لئے کیسا آسان طریق بتاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ صحیحہ اپنے اندر ہر قسم کے بصائر و عِبَر رکھتی ہے اور اس کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔

(۲) اس کے بعد قوم عاد کا ذکر کیا جو ایک بڑی طاقتور قوم تھی۔ مگر اللہ تعالےٰ کے مرسل کے مقابلہ میں جب کھڑی ہوئی تو خدا تعالےٰ نے اسے ہوا کے طوفان سے تباہ کردیا۔ اس واقعہ کو بیان کرکے پھر فرمایا

ہم نے قرآن کو مقامِ عزّت و شرف پانے کیلئے آسان کردیا ہے۔

اس میں بتایا کہ تم اپنا بقا چاہتے ہو اور عزّت و شرف کی زندگی کے طلبگار ہو تو عادیوں کے نقشِ قدم پر نہ چلو بلکہ قرآن کریم پر عمل کرو۔

(۳) پھر ثمود کا ذکر کیا اور پھر (۴) بالآخر لوطؑ کی قوم کا ذکر کرکے قرآن کریم کی طرف توجہ دلائی۔

رابعًا۔ جیسا کہ اس سورۃ کو عرب میں انقلابِ عظیم کی خبر سے شروع کیا تھا آخر میں فرعون کی ہلاکت کی خبر دے کر سوال کیا کہ تم سمجھتے ہو کہ

تم مخالفت کر کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اور آخری فتویٰ سُنا دیا کہ تم سمجھتے ہو کہ ہم متحد ہو کر ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہوئے مقابلہ کریں گے تو یاد رکھو وہ وقت آتا ہے کہ تمہارے جتھے اور جماعتیں شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔ اور دُنیا نے دیکھا کہ یہی ہو کر رہا۔

غرض اگرچہ قرآن کریم ہر رنگ میں آسان ہے اور جس رنگ میں اسپر نظر کرو گے اسے آسان پاؤ گے۔ کتاب کی ظاہری حیثیت کو دیکھو، اور دوسرے مذاہب کی کتابوں سے مقابلہ کرو تو ان کا اٹھانا بھی ایک آدمی کے لئے مشکل ہے۔ اور یہ چھوٹی سی کتاب ہے جس کو ہر شخص بآسانی ہر وقت اپنے پاس رکھ سکتا ہے جس کے پڑھنے کے لئے سالوں کی ضرورت نہیں۔ اور ہر جامعیت کے لحاظ سے دیکھو تو فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔

تعلیم کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی ہدایات نہایت آسان اور واضح کہ ان کو یاد کر لینا اور ان پر عمل کرنا کچھ بھی تو مشکل نہیں۔ اس نے خود فیصلہ کر دیا کہ کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا جو انسانی طاقت سے باہر ہو۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدِّيْنُ يُسْرٌ

قرآن مجید کی تعلیم پر عمل قطعاً مشکل نہیں اور اس کے ثمرات اور نتائج بہ صیغہ اُدھار نہیں بلکہ نقد ہیں۔ عرب جو صدیوں سے نہایت ذلیل حالت میں تھے دُنیا کی تاریخ میں ان کا کوئی مقام نہ تھا مگر جب

قرآن کریم کو انہوں نے اپنا لیا اور اس پر عمل کیا تو وہ دُنیا کی فاتح اور اُستاد ہو گئی۔ ہر ایک عزت و شرف کی وہی مالک تھی اور دُنیا کو وہ اس نعمت سے بہرہ ور کرتی تھی۔ یہ واقعات اور تاریخی ثبوت ہیں کہ

قرآن مجید عمل کے لئے بہت آسان ہے۔

یاد رکھنے کے قابل بات

قرآن مجید فہم اور عمل کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ صرف و نحو اور دوسرے علوم ضروری ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں صیغے بنے بنائے ہیں اور اعراب موجود ہیں۔ جو آدمی صرف و نحو نہ جانتا ہو اس کو کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔ اور اب تو اس کے تراجم موجود ہیں عمل کرنا ہو تو قرآن مجید آسان ہے۔ عمل سے روکنے کیلئے شیطان ایسے وسوسے پیدا کرتا ہے۔

ایک ذوقی مسئلہ

اس سلسلہ میں ایک بات اور بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید میں تین آیات ایسی ہیں کہ جن سورتوں میں وہ واقع ہوئی ہیں وہ بار بار دُہرائی گئی ہیں۔ ایک تو یہی آیت ہے لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ دوسری آیت سورہ قمر کے بعد آنے والی سورۃ الرحمٰن میں ہے اور وہ آیت ہے فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (پس تم

اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سورۃ الرحمٰن میں انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پر ان کے بعد یہ سوال انسانی فطرت سے کیا گیا ہے لیکن اگر غور کیا جاوے تو اِس سورۃ کے شروع میں قرآن کریم کا ذکر فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔

لاریب خدا تعالےٰ کی ہر نعمت اپنے رنگ میں ایک بے نظیر فضل ہے لیکن قرآن کریم وہ سب سے بڑی نعمت ہے جو انسان کو دی گئی ہے اس لئے کہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کی روح بھی قرآن مجید کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ اور جسمانی نعمتیں انسان کے فانی جسم کے لئے ہیں لیکن قرآن کریم کی نعمت انسان کو حیات ابدی بخشتی ہے اور اس کے ذریعہ سے انسان اپنی زندگی کے حقیقی مقصد کو پالیتا ہے اس لئے سب سے بڑی نعمت یہی ہے۔

پھر اسی سورۃ میں قرآن کریم کی تکذیب کرنے والے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے مخالف تھے۔ کفار مکہ اوّل المکذبین وہ تھے۔ اسکے بعد آ اِس زمانہ میں قرآن مجید کے تکذیب کرنے والے نئے سامانوں کیساتھ جو انہوں نے جدید علوم اور سائنس کی لبارٹریوں میں تیار کئے تھے حملہ آور ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسی رنگ میں ان کے دفاع کا سامان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ کیا جس کے متعلق پیشگوئی تھی کہ

وہ ایمان کو ثریا سے لے کر آئے گا

پھر تیسری آیت جس کا تکرار اسی سورۃ میں کیا گیا ہے وہ سورۃ مرسلت پارہ ۲۹ کی آیت ہے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝

آج قرآن کریم کے جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت کا دن ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور وَالْمُرْسَلٰتِ سے اس کو شروع کیا ہے۔ مُرْسَلٰت کے جو معنے بھی کئے جاویں وہ اپنی جگہ قائم ہیں۔ مگر ایک معنے اس کے انبیاء و مرسلین کی جماعت ہے جو امر بالمعروف کے لئے مامور ہو کر آتی ہے۔ اور حق و باطل نیکی اور بدی میں فرق کر دیتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا ان کے وجود کو پیش کر کے بار بار جو اس آیت کو پیش کیا ہے تو اس میں بھی قرآن کریم کے مکذبین کے انجام کی خبر دی گئی ہے۔ اور اس سورۃ کو اس پر ختم کیا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ۝ (پس اس کے بعد کس کلام پر ایمان لاؤ گے۔ یعنی قرآن کریم کی تکذیب کر کے اور کونسا کلام تمہارے پاس ہے جس پر تم ایمان لاؤ گے؟) جب اس آیت کی تلاوت کی جاتی ہے تو سننے والا یا پڑھنے والا اقرار کرتا ہے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔

اور اللہ پر ایمان قرآن کریم کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا میں نے یہ لکھدیا ہے کہ یہ ایک ذوقی بات ہے کہ قرآن مجید کے مکذبین کا ذکر ہے۔

اور قرآن مجید کی تکذیب سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور رسولوں کے سردار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور ہم اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

(۱۳) پارہ ۳۰ سورۃ بروج آخری آیات میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے:- بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

(اس میں امور کے وقوع کی پیشگوئی کی ہے کہ کوئی خیالی بات نہیں) بلکہ یہ اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں جس کا نام قرآن مجید ہے یعنی ہر عصر و عہد میں وہ پڑھا جاویگا اور اس کی عظمت و جلال کا اظہار ہوتا رہے گا اور اس پر عمل کرنے والے عزت و بزرگی حاصل کریں گے۔ اور مزید کمال یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ میں ہے۔

یہاں قرآن مجید کی عظمت اور اس کی محافظت کی پیشگوئی ہے۔ اور قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنا ایک ایسی صداقت ہے جس کا دشمنوں تک نے اعتراف کر لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کا آپ ذمہ لیا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہم نے اس ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم آپ اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ حفاظت کس طرح پر کی گئی اور کی جاتی ہے یہ بجائے خود

ایک مستقل مضمون ہے اور اللہ تعالےٰ جس وقت توفیق دیگا اس پر لکھا جاوے گا۔ انشاء اللہ العزیز

(۳۲) سورۃ مزمّل پارہ ۲۹۔ رکوع اوّل۔ آیت ۴

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

پھر اسی سورۃ رکوع ۲ کی آخری آیت میں فرمایا:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

اس سورۃ میں دو مرتبہ قرآن کریم کے اہم قرآن کا ذکر اس کے معنی اور مفہوم کو مدّنظر رکھ کر فرمایا ہے حقیقت کو سمجھنے کے لئے مجھے ایک مختصر تمہیدی تاریخی امر کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کی ابتدائی آیات میں پڑھنے کی طرف توجہ دلائی ہے سب سے پہلی وحی سورۃ علق کی ابتدائی آیات ہیں جو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ جب یہ وحی نازل ہوئی تو جیسا کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری میں آتا ہے آپؐ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا بالآخر جبرئیلی معانقہ نے آپؐ کے اندر وہ قوتِ قرأت پیدا کر دی۔ پھر اس کے بعد سورۃ مدّثّر کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھ اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرا اور اپنے رب کی عظمت بیان کر۔
پھر انہیں ابتدائی ایام میں سورۃ مزمّل کی ابتدائی آیات نازل

ہوئیں جن میں شب خیزی اور قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کو کہا گیا۔ ان آیات کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کو پڑھا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو کس قدر پڑھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور جو تعلیم آپ لے کر آئے اس میں قرآن مجید کی قرأت وتلاوت روزمرہ کے دستور العمل میں رکھدی۔ پھر سورۃ مزمل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر غور کرنے کا وقت رات کا آخری حصہ یا تہجد کی نماز ہے۔ اسلام چونکہ الدین یسر کا مصداق ہے اس لئے تہجد کی نماز کو نوافل میں داخل فرمایا۔ مگر نوافل کا مقام یہ رکھا کہ قرب الٰہی کا ذریعہ یہی نوافل ہیں۔ اور رات کی تنہائی میں خشوع وخضوع اور حضور قلب کا موقع میسر آتا ہے۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا طریق

یہاں یہ بھی بتایا کہ قرآن مجید کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ یعنی قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس سے مطلب ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت پر غور وفکر کرو۔ تاکہ اس کی حقیقت اور تاثیر سے تم کو حصہ ملے۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت ان کے مدنظر ختم قرآن ہوتا ہے فہم قرآن نہیں ہوتا جس سے عملی قوت میں تحریک ہوتی ہے۔ تہجد کی نماز میں خصوصیت سے اس پر زور دیا ہے۔ اس سے انسان کی عملی زندگی میں بیداری اور اثر

پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی سورۃ میں جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں سے اس قدر پڑھو جس قدر بآسانی پڑھ سکو۔

اگرچہ اس کی وجوہات خود قرآن کریم نے اسی آیت میں بیان کر دی ہیں۔ لیکن جب پہلی آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا سے ملا کر دیکھو اور جس روح کو پیدا کرنے کے لئے تَرْتِیْلًا کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ جب سمجھ سمجھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جاوے گا تو اسی قدر پڑھا جاوے گا جو آسانی سے پڑھا جا سکے۔

اسی سلسلہ میں مَیں اس آیت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں جو سورۃ قیامۃ پارہ ۲۹۔ آیت ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں واقع ہوئی ہے۔

(۳۳) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝

ترجمہ:۔ اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا (یعنی نزولِ وحی کے وقت جلدی نہ کر) تاکہ اسے جلدی سے لے لے۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور تجھے یاد کرانا یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ پس جب ہم اس کو پڑھیں تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کر۔

مَیں نے یہاں اِس آیت کو اسمِ قرآن اور طریق قرأت و تلاوت کے

سلسلہ میں لکھ دیا ہے اس پر تفصیلی نوٹ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے باب میں انشاءاللہ آئے گا۔

قرآن مجید کے پڑھنے اور تلاوت کے طریق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ ایک اور مقام کا بھی ذکر کر دوں۔

(۳۴) سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵۔ رکوع ۹۔ آیت ۷۸

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ○

ترجمہ:۔ سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لیکر رات کے خوب اندھیرے تک (یعنے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) نماز پڑھ اور صبح کی نماز کے ساتھ قرآن کے پڑھنے کو بھی لازم سمجھ یقیناً صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا اللہ کے حضور ایک عمل مقبول ہے۔

یہاں قرآن مجید کے اوقاتِ تلاوت میں صبح کے وقت کو ہی بہترین قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ انسان اس وقت تازہ دم ہوتا ہے اور اس کی غور و فکر اور ذکر کی قوتوں میں نئی امنگ ہوتی ہے۔

(۳۵) اب میں اسم قرآن کے متعلق ایک اور ضروری امر کا تذکرہ کر کے اس اسم کی بحث کو ختم کر دیتا ہوں۔ اگرچہ قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات ہیں جہاں اسمِ قرآن مذکور ہوا ہے میں فہم قرآن کیلئے ایک راہِ جدید پیش کر دی ہے۔ اس لئے عزیز قارئین کرام اِن

مقامات پر خود غور کر لیں۔

یہ مقام قرآن مجید کی سورۃ فرقان پارہ ۱۸۔ رکوع ۳۔ آیت ۳۱ میں ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○

ترجمہ:۔ اور رسول نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز کی طرح قرار دیدیا۔

یہاں اگرچہ قوم سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار قریش تھے۔ پچھلی آیتوں میں بھی ان کا ہی ذکر ہے لیکن قرآن مجید تو ذوالمعارف ہے اور وہ اپنی تاریخ آپ بیان کرتا ہے جیساکہ اسم قرآن کے متعلق باب میں آپ نے اوپر پڑھا ہے وہ ایک لطیف تاریخ اپنے اندر رکھتا ہے۔ قرآن کے نزول کا باعث کیا تھا؟ قرآن کس طرح پر نازل ہوا؟ یعنے جُمْلَةً وَّاحِدَةً نازل نہیں ہوا بلکہ نَزَّلْنَا الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا۔ پھر ان مساعی کا ذکر کیا جو قرآن مجید کی تبلیغ کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کی ایک طرف تھیں اور منکرین قرآن کریم کی تجاویز اور منصوبے اسکو مٹا دینے کے دوسری طرف۔ اور ان مشکلات کے وقت قرآن کریم کے غالب آنے، اس کے ماننے والوں کے دنیا میں شرف و عزت پانے کی جلیل الشان پیشگوئیاں، قرآن کریم پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔ غرض اوّلاً یہ ایک ۲۳ برس کی تاریخ

ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ پھر چونکہ اس کا دامن قیامت تک وسیع اور اس کی دعوت عالمگیر ہے۔ اس لئے آئیندہ پیش آنے والے واقعات کی تاریخ بھی پیشگوئیوں کے رنگ میں موجود ہے۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں میں تاریخ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے وہ تاریخ مراد نہیں جو عرفِ عام میں سمجھی جاتی ہے۔ قرآن مجید جو کچھ بیان کرتا ہے اس کا مقصدِ عظیم ہدایت و رُشد کی تعلیم ہے اور انسان کی زندگی کا ایک ضابطہ عمل پیش کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کو اس کی پیدائش کی اصل غرض پورا کرنے کی راہنمائی کرتا ہے۔ جس طرح پر قرآن کریم نے اپنے ابتدائی دور اور اس کے بعد صحابہؓ کی جماعت نے عمل کر کے فیض یاب ہونے کی تاریخ پیش کی ہے۔ قرآن کریم کے ماننے والوں پر ایک وقت ایسا بھی آنیوالا تھا جبکہ وہ قرآن کریم کو علماً اور عملاً ترک کر دیں گے (الّا ماشاء اللہ) اور وہ اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس آنے والے وقت کے متعلق فرمایا تھا کہ قرآن مجید سے صرف اس کے نقوش باقی رہ جائیں گے۔ اور لوگ قرآن پڑھیں گے مگر اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ یعنی عملی قوت نہ رہے گی۔ قرآن مجید میں ترک قرآن کے اسباب بھی بیان کیا اور قرآن مجید پڑھنے والوں اور اس کی روح عمل سے بے خبر علماءِ سوء کا بھی ذکر کیا۔ بنی اسرائیل کے احبار و رُہبان کے تذکرے قرآن کریم میں بے معنی نہیں بلکہ وہ ایک انذار تھا مسلمانوں کے لئے۔ ان کو ان کے طرزِ عمل سے مختلف رنگوں میں

ڈرایا گیا تھا۔ مگر

آخر وہ وقت آگیا کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔

یہ ایک دردناک کہانی ہے۔ ضرور تھا کہ ایسا ہو اس لئے کہ قرآن کریم کو آسمان سے لانے والے موعود کی بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان واقعات کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ وہ وعدے کے موافق آیا اور اس نے اِس حالتِ ہجرِ قرآن کو دیکھ کر اپنے دردِ دل کا اظہار ان الفاظ میں کیا ؎

دردا کہ حُسن صورتِ فرقاں عیاں نماند — آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند
مردم طلب کنند کہ اعجازِ آں کجاست — صد درد و صد دریغ کہ اعجاز داں نماند
کوریم و از کمالِ تغافل بچشمِ ما — آں روئے خوب و گیسوئے عنبر فشاں نماند
بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلا است — کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند
یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معین — ایں یوسفے کہ ہیچ کسش کارواں نماند
جانم کباب شد زغمِ ایں کتابِ پاک — چنداں بسوختیم کہ خود امیدِ جاں نماند
دوش اندکے مرا بجائے شکیبا بود — اِمشب بپرس حال کہ تاب و تواں نماند
اے سید الوریٰ مدد وقتِ نصرت است — در بوستاں بہرِ ائے تو کس باغباں نماند
صد بار رقص ہا کنم از خرمی اگر — بینم کہ حُسن و دلکشیِ فرقاں نہاں نماند
در رنج و درد مے گذرانیم روزگار — یارب ترحمے کہ دگر مہرباں نماند
یارب چہ بہرِ من غمِ فرقاں مقدر است — یا خود دریں زمانہ کسے رازداں نماند
دیدم کہ زاہداں رہِ فرقاں گذاشتند — ناچار در دلم اثرِ مہرِ شاں نماند

اے خواجہ بیخبر ز بود لطافتِ زندگی | کس از پئے مدام دریں خاکداں نماند
امروز گر دل از پئے قرآں فروختی | عذرے دگر ترا بجناب یگاں نماند
بگذار وردِ مثنوی و شغلِ غزل و شعر | ایں خود چہ چیز ہست اگر قندِ نیستاں نماند
در عادتِ نشینی وحدت تازے کنی | آنرا کہ سید است کس از خادماں نماند
خلق از برائے شوکتِ دنیا چہا کنند | دردا کہ مہرِ کعبہ بچشمِ بتاں نماند

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

(۳) الفرقان

قرآن کریم کے وہ اسماء جو قرآن کریم میں مذکور ہوتے ہیں ان میں ایک نام فرقان ہے۔ بلکہ قرآن کریم میں ایک پوری سورۃ الفرقان کے نام سے بھی ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی کے اس حصہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ معظمہ کے ایام کے مصائب اور مشکلات اپنے انتہائی حد تک پہنچ چکے تھے۔ سورۃ فرقان سے پہلے سورۃ نور ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا۔ اور نور یا روشنی کا کام ایک خاص امتیاز اور تمیز پیدا کرنا ہوتا ہے۔ دیکھو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ساری کائنات میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی لئے سراج منیر کہا گیا ہے۔ میرا مقصود اس جگہ ان حقائق و معارف

کو بیان کرتا نہیں جو سورۃ نور اور فرقان کی ترتیب میں ہیں بلکہ یہ ایک مختصر تمہید ہے قرآن مجید کے اسم فرقان کے لئے۔ سورۃ مومنون، نور اور فرقان عجیب کیف آور مضامین پر مشتمل ہیں۔ اور وہ ایک ایسا گوہر سے بھی زیادہ خوبصورت رابطہ رکھتی ہیں۔ سورۃ مومنون میں انسان کے روحانی ارتقا کا نقشہ اس کی جسمانی پیدائش کو پیش کر کے سمجھایا اور اسی سلسلہ میں اِس سورۃ فرقان میں بتایا کہ انسانی کمال قرآن کریم کے ذریعہ صحابہ رضؓ میں کیا پیدا ہوا اور اس پر عمل ہر انسان اور ہر عہد میں کیا ثمرات پیدا کرتا ہے۔ اس کو ایک لفظ فرقان میں ظاہر کیا ہے کہ قرآن کریم اپنی تعلیم اور تاثیر کے ذریعہ

حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (پارہ ۱۸ سورۃ فرقان رکوع اوّل۔ آیت اوّل)

ترجمہ:۔ بڑی ہی بابرکت وہ ذات (جو ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے) جس نے فرقان کو نازل فرمایا (کسی ایسے انسان پر نہیں جو صرف گفتار کا غازی ہو بلکہ) جو اس بابرکت ذات کا کامل فرمانبردار اور اس قرآن کریم کا کامل عامل ہے۔

اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ

عالمین کے لئے نذیر ہے۔

فرقان حق و باطل میں امتیاز کر دینے والا۔ تمام رموز اور اسرارِ شریعت کا حامل۔ قرآن کریم کا یہ نام اس لئے رکھا کہ وہ حق و باطل میں قولِ فیصل اور حَکَم ہے۔ اور فرقان اسلئے بھی اس کا نام ہے کہ اس کی عملی تاثیرات نے دنیا پر واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آپؐ کی جماعت میں پیدا ہو گیا کہ وہ گویا بالکل نئے انسان بن چکے تھے۔ اسی سورۃ کے آخر میں جہاں عِبَادُ الرَّحْمٰن کے صفات بیان کئے ہیں۔ سر ولیم میور اسلام کا تلخ ترین اور متعصب دشمن اس کے متعلق اعتراف کرتا ہے کہ

یہ نقشہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا

اس سے بڑھ کر امتیاز بین الحق والباطل کیا ہو گا؟

قرآن کریم ہر لحاظ سے فرقان ہے (۱) اپنی تعلیم کے لحاظ سے (۲) تعلیم کی تاثیرات کے لحاظ سے (۳) اسرار و معارف (۴) اپنی عالمگیر وسعتِ دعوت کے لحاظ سے (۵) عملی نتائج کے لحاظ سے وہ باریک سے باریک اسرارِ شریعت کو بیان کرتا ہے اور انسان کی زندگی کے ہر مرحلہ اور شعبہ میں راہنمائی کرتا ہے۔

تین پیشگوئیاں اس آیت کے مختصر الفاظ میں ایک وسیع سلسلۂ معارف موجود ہے۔ اور بڑی عظیم الشان

پیشگوئیاں ہیں۔ ہر لفظ اپنے اندر ایک جامعیت رکھتا ہے۔

(۱) فرمایا کہ جس ذات پاک نے الفرقان نازل فرمایا ہے۔ وہ بابرکت ہے۔ جیسا کہ فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ اللہ تعالیٰ تمام برکات اور خیرات کا ایک دائمی اور بیکراں سرچشمہ ہے۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ تمام خیرات و برکات قرآن کریم کے اندر ہی موجود ہیں۔ اور یہ چشمہ دائماً جاری رہے گا۔ یعنی قرآن کریم کے حقائق و معارف اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے والی جماعتیں ہر زمانہ میں اس کی صداقت کا عملی ثبوت دیتی رہیں گی۔

قرآن کریم کے اسلوب بیان کو دیکھ کر اس کے ہر جملہ پر قلب میں وجد پیدا ہوتا ہے یہی تاثیر کو دیکھ کر فرمایا عاشق قرآن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ کے لفظ میں ہی بتادیا کہ خیرات و برکات کا یہی سرچشمہ سرمدی ہوگا۔ اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کردیگا۔ غرض پہلی پیشگوئی یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات، تاثیرات، اپنے خوارق و معجزات کے لحاظ سے دائمی برکات کا ذریعہ ہے۔ پہلی شریعتوں اور کتابوں کی طرح وہ ایک خاص وقت کے لئے نہیں۔ وہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کا مصداق ہے۔

دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ وہ فرقان ہے اور فرقان رہے گا۔
تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ وہ تمام اقوامِ عالم میں پہنچ جائے گا اور یہ پیشگوئیاں ہر زمانہ میں اپنی صداقت کو پیش کر رہی ہیں۔

سورۃ فرقان کا نزول مکی زندگی کے آخری ایام میں ہوا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضؓ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ اور ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز عملی انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ ایسا انقلاب کہ ان کی عملی زندگی جو قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی کا نتیجہ تھی بجائے خود حق و باطل میں ایک امتیاز پیدا کر چکی تھی۔ یہ وہ انقلاب تھا جس کا اعتراف اسلام کے معاند مؤرّخ سر ولیم میور نے بھی لائف آف محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) لکھتے ہوئے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکّی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم صحابہؓ کی زندگیوں میں پیدا ہو چکا تھا"

چنانچہ اِس سورۃ کے آخر میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کے جو صفات بیان ہوئے ہیں سر ولیم میور کہتا ہے کہ یہ نقشہ ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کا۔

غرض اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کا نام فرقان رکھ کر یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید انسان کی عملی زندگی میں ایک ایسا امتیاز پیدا کر دیتا

ہے کہ وہ انسان اپنی ذات میں ایک فرقان ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسکی عقلی اور فکری قوتوں میں ایسی وسعت پیدا کر دی جاتی ہے کہ وہ حق و باطل میں بآسانی فرق کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید مومنوں کے صفاتِ خاصہ میں بیان کرتا ہے کہ ان کو ایک نور دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی تاریکی میں نہیں رہتے۔ اور خود قرآن مجید کے صفات میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ وہ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کا مصداق ہے۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ ایک مختصر سے خطبے میں قرآن مجید نے عظیم الشان پیشگوئیاں کر دی ہیں اور بتایا ہے کہ یہ بابرکت ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے اس میں ہر قسم کی خیرات و حسنات اور برکات کو جمع کر دیا گیا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ دُنیا میں خیرات و برکات پھیلائے جائیں گے۔ یہی حق و باطل کا معیار ہو گا۔ اور تمام اقوامِ عالم میں اس کی تبلیغ ہو جائے گی۔

اب یہ کھلی ہوئی تاریخی صداقت ہے کہ قرآن مجید نے اپنی عملی اور قدسی تاثیرات سے کیا انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ اور قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی بادشاہوں تک پہنچ گئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہاں تک کہ وہ دَور آ گیا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کا دَور ہے جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے رنگ اور نام سے ہونیوالی تھی۔

اسے خدا تعالےٰ نے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ یعنے ہر قسم کی خیر و برکت قرآن مجید ہی میں ہے اور پھر فرمایا

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤنگا

یہ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا کی تفسیر ہے۔

تبرکات میں اس مقام تک لکھ چکا تھا کہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کا ایک خطبہ "الفضل" ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں آیا۔ اس میں قرآن کریم کی اس صفت فرقان کی حقیقت کو حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے بیان کیا ہے۔ اس لئے اس مقام کی مناسبت سے اس کا ایک اقتباس یہاں دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرمایا

(الف) "تمام برکتوں کا مالک خدا تعالےٰ ہے۔ یہ صرف منہ کا دعوےٰ نہیں بلکہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ اس نے فرقان کو نازل کیا ہے۔ اور ایسا کلام نازل کیا، جس کا ایک ایک لفظ حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے۔ وہ کلام ایسا نہیں کہ چند اچھے الفاظ پر مشتمل ہو لیکن حقیقت سے خالی ہو۔ یا شاعرانہ طور پر اسے بنا لیا گیا ہو بلکہ وہ کلام ایسا ہے کہ اس کا لفظ لفظ حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ اور بے شمار حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔ وہ کلام ایسا نہیں کہ اس کی عبارت بہت ہو اور اس کے

الفاظ غیر معین ہوں اور اپنے اندر کوئی معنے نہ رکھتے ہوں بلکہ وہ کلام فرقان ہے جو ہر ایک چیز کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے"۔

(ب) "اللہ تعالےٰ وہ ہے جو سب سے زیادہ برکتوں والا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرقان کو نازل کیا ہے جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کر کے دکھا دیتا ہے اور ہر انسان اس کے ذریعہ صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور وہ ہر چیز کے متعلق صحیح فیصلہ دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ فلاں چیز حق اور صداقت ہے اس کو قبول کرو۔ اور فلاں چیز جھوٹ سے ملوث ہے اس سے اجتناب کرو۔ یہ جو لفاظی سے پاک ہے۔ اور یہ کتاب ہم نے اس لئے اتاری ہے تاکہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر کے دکھا دے"

(ج) "اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بہت برکت والا وہ خدا ہے جس نے ایسا کلام بھیجا جو کہ تمام قسم کی باریکیاں بیان کرتا ہے اور حق و باطل میں امتیاز کر کے دکھا دیتا ہے۔ اور پھر برکت والا ہے وہ خدا جس نے وہ برکت کسی ایسے انسان کے سپرد نہیں کی جو بد عمل اور بدکردار ہو۔ اور بجائے دین کی طرف لانے کے دین سے بیگانہ کرنے والا ہو۔ بلکہ اس نے وہ کتاب ایسے شخص کو دی جس نے اپنی دنیوی زندگی پر موت وارد کر لی۔ اور اللہ تعالےٰ کے تمام صفات کو

اپنے نفس کے اندر داخل کر لیا اور اپنے نیک نمونہ سے دُنیا کو نیکی کی طرف کھینچ لایا۔"

"پھر فرماتا ہے۔ برکت والا وہ خدا ہے جو فرماتا ہے لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۔ لِيَكُوْنَ میں ضمیر استعمال کی گئی ہے اور فاعل ظاہر نہیں کیا۔ اس لحاظ سے ضمیر سے پہلے جتنے وجود گزرے ہیں ان سب کی طرف پھر سکتی ہے۔ لِيَكُوْنَ سے پہلے اللہ تعالےٰ کا بھی ذکر ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ ۔ اور قرآن کریم کا بھی ذکر ہے جیسے فرمایا نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا عَلٰى عَبْدِهٖ ضمیر سے پہلے ان تین وجودوں کا ذکر ہے۔ اور تینوں کی طرف لِيَكُوْنَ کی ضمیر پھر سکتی ہے اور معنے یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ساری دُنیا کا نذیر بن جاوے۔ قرآن کریم ساری دُنیا کا نذیر بن جاوے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ساری دُنیا کے نذیر بن جاویں۔"

اس خطبہ میں اور بھی حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں اور میں نے مناسب سمجھا کہ اس کا کچھ اقتباس بطور تبرک دیدوں۔ غرض یہاں قرآن مجید کا نام فرقان رکھ کر نہ صرف ان خوبیوں کی طرف رہنمائی کی جو اس پاک کتاب میں موجود ہیں بلکہ

قرآن کریم کی دعوتِ عامہ اور اشاعتِ عالمگیر کی پیشگوئی کی

جس کا مختصر ذکر اوپر کر آیا ہوں۔

(۲) سورۃ آل عمران کے پہلے ہی رکوع کی ابتدائی آیات میں فرمایا:-

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

میں قرآن کریم کے اسم کتاب کے ضمن میں اس آیت کو پیش کر آیا ہوں۔ یہاں صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کی صفات میں بیان فرمایا کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ اور یہ کتاب تمام صداقتوں اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب کا نزول اسی سلسلہ میں ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی تھی۔ وہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت تھیں لیکن امتداد زمانہ سے حق و باطل میں التباس ہوگیا۔ اور لوگ حقیقت سے دور جا پڑے۔ اس لئے پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدے کے موافق اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فرقان کو نازل کیا تاکہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دے۔

تیسرا مقام جہاں قرآن کریم کا اسم فرقان ذکر ہوا ہے سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ ہے۔ فرمایا:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

اس کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ میں قرآن کریم کے اسم قرآن کی ذیل میں کر آیا ہوں۔ یہاں صرف فرقان کے متعلق مختصراً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تین صفات یہاں بیان ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی دراصل اس کے اسماء ہی ہیں۔ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى۔ الْفُرْقَانُ۔

یعنی وہ انسان کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اور کیوں ہدایت نامہ ہے؟ وہ یہ دعویٰ ہی نہیں کرتا بلکہ ثبوت بھی دیتا ہے۔ اس دعوے کے دلائل اور بیّنات موجود ہیں اور وہ باہر سے نہیں آتے خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور وہ الفرقان ہے۔ حق و باطل کی علمی اور عملی امتیاز کی راہیں اس نے بیان کی ہیں۔ اور اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس ثبوت کو قرآن مجید نے تاریخی شواہد اور واقعاتِ حاضرہ اور عملی انقلاب کے رنگ میں پیش کیا۔

تاریخی شواہد سے اس طرح یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ موسیٰ علیہ السلام کو جو فرقان دیا وہ کیا تھا؟ فرعون اور اس کی ذرّیت حق کو کچل دینا چاہتے تھے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر قسم کی طاقت اسے حاصل تھی مگر ہوا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام حق لے کر آئے تھے اس کو قوت

اور امتیاز مل گیا۔ اور فرعون جو باطل کا پیکر تھا تباہ ہو گیا۔ اسی طرح یہ کفارِ مکہ جو باطل کے پرستار اور باطل کے نمائندے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حق کے مظہر۔ باطل اپنی ساری قوتوں کو جمع کر کے حق پر حملہ آور ہوا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ جنگِ بدر نے فیصلہ کر دیا اور خدا تعالےٰ نے اس کا نام یوم الفرقان رکھا۔ جبکہ باطل کو شکست ہوئی اور حق غالب آ گیا۔ یہ تھا ظہور فرقان کا۔ اور پھر اسم فرقان کی تجلی صحابہؓ کی عملی زندگی میں نمودار ہوئی۔ ایک مُردہ قوم زندہ قوم ہو گئی۔ وہ ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی خوبیوں سے بہرہ اندوز ہوئی یہی نہیں اللہ تعالےٰ نے

انہیں دُنیا کا بادشاہ بنا دیا۔

اور یہ بھی اسم فرقان کی ایک شان تھی۔

(۴) نُور

قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک نام نُور بھی ہے۔ نُور کا کام یہ ہے کہ وہ ایک وضاحت اور روشنی پیدا کرتا ہے جس سے ہر قسم کی تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اور ہم اشیاءِ عالم کو دیکھتے ہیں اور ایک قوتِ امتیاز پیدا ہوتی ہے۔ روشنی اور نُور کی علمی تحقیقات ایک جُدا چیز ہے۔ اس پر جس قدر غور کیا جائے گا یا سائنس جس قدر نئی اشیاء ثابت کرے گی قرآن کریم ان حقائق کا خزانہ اور سرچشمہ

ثابت ہوگا۔ یہ بھی ایک بحث ہے کہ کیا آنکھ بیرونی اشیاء کے عکس کو اپنے اندر لیکر فعلِ بصارت کو ظاہر کرتی ہے یا خود آنکھ کی روشنی بیرونی اشیاء پر پڑ کر اُن کو روشن کر کے ہمارے سامنے کر دیتی ہے جس کو ہم رویت یا بصارت کہتے ہیں۔

یہ بات سورج کی مثال سے خوب سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ان چیزوں کو روشن کر کے دکھا دیتی ہیں۔ یہ بڑا علمی مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس روشنی کے زمانہ میں قرآن مجید کی عظمت کو اس کے ذریعہ ظاہر کرنے کی توفیق دیگا۔ اور میں امیدوار ہوں کہ مجھے بھی توفیق رفیقِ راہ کر دے۔ آمین

مشاہدۂ قدرت سے ایک سبق

غرض قرآن مجید کے اسماء قرآنیہ میں اس کا ایک نام نور بھی ہے۔

جب تک اس نور سے انسان استفادہ نہیں کرتا اس وقت تک وہ حقیقی روشنی کو پا نہیں سکتا۔ جیسے شبِ تار کی تاریکی میں باوجود آنکھ میں قوتِ بصارت کے موجود ہونے کے آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ اور اسے خارجی روشنی کی احتیاج ہے۔ اسی طرح پر گو حق و باطل کے امتیاز کے لئے انسانی عقل بھی ایک قوت ہے۔ اور ضمیرِ انسانی بھی ایک نور کا رنگ رکھتی ہے۔ مگر جب تک آسمانی نور یعنے خدا کی وحی و الہام اس کی رہنمائی نہ کرے وہ کچھ کام نہیں آ سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ میں عقل اور مسئلہ وحی پر

نہایت لطیف اور تسکین بخش بحث کی ہے اور اسی سلسلہ میں مشاہدہ فطرت سے اس پر روشنی ڈالی ہے ۔ فرمایا ؎

حاجتِ نورے بود ہر چشم را | ایں چنیں افتاد قانونِ خدا
چشمِ بینا بے خورِ تاباں کہ دید | کے چنیں چشمے خداوند آفرید
تو عجب داری ز پیغامِ خدا | ایں چہ عقل و فکرِ تست اے خود نما
چوں نیائی زیرِ تابِ آفتاب | کے فتد بر تو شعاعے در حجاب

قرآن مجید ایک نور ہے کہ وہ ہر قسم کی تاریکیوں سے انسان کو نکالتا ہے اور اس کے فطری شعور میں صحیح بصیرت اور قوتِ امتیاز پیدا کرتا ہے ۔ چنانچہ فرماتا ہے ۔

(۱) سورہ مائدہ پارہ ۶ ۔ رکوع ۳ ۔ آیت نمبر ۱۶، ۱۷

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ترجمہ :- اے اہل کتاب ہمارا رسول یقیناً تمہارے

پاس آچکا ہے وہ تمہارے نفع کے لئے ان تمام امور کو کھولکر بیان کرتا ہے (روشنی میں لاتا ہے) جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے۔ وہ بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا ہے (اور وہ نور کیا ہے؟) وہ کتاب مبین (قرآن کریم) ہے۔ (۱۵) اس نور اور کتاب مبین کے ذریعہ اللہ تعالےٰ اس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہو کر اتباع کرتا ہے سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے اور ان کو ہر قسم کی تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آتا ہے اور انکو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ (۱۶)

(نوٹ) اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کا نام نور رکھا اور کتاب مبین کہکر اس کی مزید صراحت فرمائی۔ اور اس کے کام یہ بتائے کہ ہر اُس شخص کے لیئے جو خدا تعالےٰ کی رضا کا طالب ہو، سلامتی کا طلبگار ہو اور جو سلامتی اور امن چاہتا ہے اس کی راہنمائی قرآن مجید ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے اور یہی کام نور کا ہے۔ نُور مخفی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اہل کتاب کو متنبہ کیا کہ تم جن امور کو چھپاتے تھے اب وہ مخفی نہیں رہ سکتے۔ نُور آتا ہے تو تاریکی دُور ہو جاتی ہے اور تاریکی نے جن چیزوں کو مخفی کیا ہوا ہوتا ہے وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اِس آیت میں وحی الٰہی کی ضرورت پر نہایت لطیف پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے۔ اور وہ وہی استدلال ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے براہین احمدیہ میں پیش کیا ہے۔ جس کا خلاصہ اُوپر کے اشعار میں بیان کر دیا ہے۔

پھر اسی آیت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام رفیع اور آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ وہ کثرت سے درگذر اور عفو کرتا ہے۔

(۲) دوسری آیت جس میں قرآن کریم کو نُور فرمایا سورہ اعراف پارہ ۹ رکوع ۱۵۔ آیت ۱۵۸ میں ہے۔ یہ آیت طویل آیات میں سے ہے۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل اخلاقی اور آپؐ کی تعلیم کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ آیت دراصل آیت نمبر ۱۵۸ کی تکمیل ہے۔ اس کو اس واقعہ کے ذکر سے شروع فرمایا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو ساتھ لیکر طور پر گئے تھے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت دی گئی تھی۔ مَیں اس آیت کا صرف ترجمہ دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا یا یوں دُعا کی۔

ترجمہ حاصل مطلب آیت ۱۵۷:۔

"اور ہمارے لئے اِس دُنیا اور آخرت میں بھلائی لکھ دے ہم تیرے حضور رجوع کرتے ہیں (اللہ تعالےٰ نے فرمایا) مَیں جسے چاہوں اپنے عذاب میں مبتلا کروں گا اور میری رحمت کی وسعت تو ہر شے پر حاوی ہے۔ پس میں اپنی رحمت کے تحت حسنات الدنیا اور حسنات الآخرۃ ان کے لیئے

لکھ دوں گا۔ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰتیں ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔"

آیت ۱۵۸:-

"اور وہ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبیّ الاُمّی ہے۔ ہاں وہی نبی جس کی بشارت وہ تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ اور اس کی تعلیم یہ ہے کہ وہ معروف باتوں کا حکم دیتا ہے اور ہر بُری بات سے منع کرتا ہے۔ اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے اور ہر ایک خبیث چیز کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور وہ ان کو ہر قسم کے بوجھوں اور طوقوں سے نجات دیتا ہے جن کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے۔ پس جو لوگ اس نبیّ الاُمّی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی نصرت کریں اور جنہوں نے اس نور کی اتباع کی جو اس کے ساتھ اُتارا گیا وہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔"

ان ہر دو آیات میں اہل کتاب پر اتمامِ حُجّت کر کے نجات اور کامیابی کا صحیح اصل بتا دیا ہے۔ حسنات الدّنیا اور حسنات الآخرۃ کے حصول کا ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی اتباع ہے۔ اور قرآن کریم کو یہاں نور فرمایا ہے۔

(۳) تیسری آیت جس میں قرآن کریم کو نُور فرمایا ہے سورۃ نساء

پارہ ۶ رکوع ۴ آیت نمبر ۱۷۵ ہے۔ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ○

ترجمہ:۔ یعنے اے لوگو! یقیناً تمہارے رب سے تمہارے پاس برہان آچکی ہے (وہ کیا ہے؟) وہ وہی نور مبین تو ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔

قرآن کریم کا ایک نام بُرھان بھی ہے

اس آیت میں قرآن مجید کا ایک نام بُرْھَان بھی بیان فرمایا۔ اکثر علمائے اسلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو برہان قرار دیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر اس نام سے موسوم ہیں جو قرآن کریم کے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم ہی تو آپ کی سیرت کا مرقع ہے۔ اور آپ قرآن کریم کے ایک پیکرِ عمل ہیں۔ علمائے اسلام کی ایک جماعت جن میں زمخشری بھی داخل ہے یہاں برہان سے مراد قرآن کریم بھی لیتے ہیں۔ اور میں تو قرآن کریم ہی مراد لیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بجائے خود برہان ہیں۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

برہان اس دلیل کو کہتے ہیں جو کسی دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی جائے۔ اور وہ ایسی واضح اور بین ہو کہ ہر شخص اس کو آسانی سے سمجھ لے اور دعویٰ کی صحت کا ثبوت ہو۔ قرآن کریم کا یہ کمال ہے

کہ وہ ہر اُس دعویٰ کی دلیل خود پیش کرتا ہے جسے وہ دُنیا سے منوانا چاہتا ہے کسی الہامی کتاب کو یہ فخر حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید کوئی ایسا دعویٰ پیش نہیں کرتا خواہ وہ الہیات و عقائد سے متعلق ہو یا اخلاق و معاشیات سے وابستہ ہو جس کی دلیل وہ آپ پیش نہ کرتا ہو۔ اور اس مقابلہ میں

کوئی اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

قرآن کریم کے علم کلام کا امتیاز

یہ قرآن کریم کے علم کلام کا امتیاز اور رنگ منفرد ہے۔ اور اس کے پیش کرنے کا فخر اولیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے۔ آپ نے ۱۸۹۳ء میں جب عیسائیوں کے ساتھ بمقام امرتسر پندرہ روز تک مناظرہ کیا تو اس مباحثہ میں پہلے دن ہی آپ نے یہ تیر چلایا جس نے عیسائیت کے بُت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے بطور کلام کلّی کے اس امر میں جو مناظرہ کی علتِ غائی ہے انجیل شریف اور قرآن کریم کا مقابلہ اور موازنہ کیا جاوے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس مقابلہ اور موازنہ میں کسی فریق کا ہرگز یہ اختیار نہ ہو گا کہ اپنی کتاب سے باہر جاوے یا اپنی طرف سے کوئی بات منہ پر لاوے بلکہ لازم اور ضروری ہو گا کہ جو دعویٰ کریں وہ دعویٰ اسی الہامی کتاب سے کیا جاوے جو الہامی قرار دی گئی ہے۔ اور جو دلیل

پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ کیونکہ یہ بات بالکل سچی ہے اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اسکی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلّی خاموش اور ساکت ہو" (پرچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر تک اس کے پابند رہے مگر عیسائی کلیۃً قاصر رہے۔

اِس جہت سے قرآن کریم کا نام بُرہان ہر آئینہ سزاوار ہے۔ اور میرا یہ مذہب ہے جیسا کہ مَیں اوپر لکھ آیا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ہر اس نام کے صحیح مصداق ہیں جو قرآن کریم کا بیان ہؤا۔ قرآن کریم کا نام نور ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نور بلکہ سراج منیر ہیں۔

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یہاں فرمایا تمہارے رب کی طرف سے بُرہان۔ اللہ تعالےٰ کی صفت ربّ کو نبوت کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ اس لئے کہ اسکی تکمیل تدریجاً ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی تکمیل نزولی ۲۳ برس میں ہوئی۔ اس کی ہر آیت بُرہان ہے اور وہ مجموعہ براہین ہے۔ بلکہ خود اسکا وجود بُرہان ہے۔ جو اس کی حفاظت اور اس کی اعجازی تحدّیوں سے ثابت ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے اس نعمت کا اتمام اور اکمال فرمایا تو ارشاد ہوا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا نام دین اور نعمت بھی ہے۔

ایک عظیم الشان پیشگوئی تکمیل نور کی۔

قرآن کریم کی بہ حیثیت نور کی تکمیل کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی بھی فرمائی گئی جو سورۃ صف اور سورۃ توبہ میں آئی ہے۔ فرمایا:۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ○

(سورہ صف پارہ ۲۸۔ رکوع اول آیت ۹)

ترجمہ:۔ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا اگرچہ کافر کڑھتے ہی رہیں۔

سورۃ توبہ پارہ ۱۰ رکوع ۵۔ آیت ۳۳ میں فرمایا:۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُونَ ○

یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ کو اس کا بجھنا منظور نہیں۔ بلکہ

وہ اپنے نور کو پورا کرے گا گو کافر کتنا ہی منا تے رہیں۔

اِن ہر دو آیات میں مخالفین کے ان منصوبوں اور مکاید کی طرف اشارہ ہے جو وہ اسلام کے پیغام کی تکمیل اور اشاعت کو روکنے کیلئے کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ اس کی تکمیل کی پیشگوئی فرماتا ہے۔ کہ وہ نور اپنے کمال کو پہنچے گا اور مشرق و مغرب میں پھیل جاوے گا۔ کافر ہر زمانہ میں اس کی مخالفت کریں گے اور اس کے بجھانے کے لئے ہر قسم کے مکائد کا استعمال کریں گے لیکن غالب خدا ان کو اپنے مکائد میں ناکام اور نامراد رکھ کر

اس نور کو پھیلائے گا۔

اور یہ ایک ایسی صداقت ہے کہ دُنیا کی تاریخ اس کا انکار نہیں کر سکتی۔ جیسے نور اور روشنی کا یہ خاصہ ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح پر قرآن مجید کی تعلیم اور ہدایت اپنے اندر ایک ایسا نور رکھتی ہے کہ کوئی اس سے بالاکراہ اس سے مُنہ موڑے تو یہ امر دیگر ہے مگر اس کے روشن اور واضح دلائل کے سامنے اس کے انکار کی ہمت نہیں ہو سکتی۔ ونعم ما قیل ؎

کس سے اِس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

(۴) چوتھی آیت جس میں قرآن کریم کو نور کہا گیا ہے اور اس کی کیفیت کو واضح فرمایا وہ سورۃ نور کی یہ آیت ہے:۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورہ نور رکوع ۴ آیت ۳۴)

حاصل ترجمہ:- اور یقیناً یقیناً ہم نے تمہاری طرف آیات بیّنات نازل کی ہیں اور کچھ ان لوگوں کے امثال جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور یہ آیات بیّنات اور امثال متقیوں کے لئے موعظہ ہیں۔ (یہ آیت رکوع نمبر ۴ کی آخری آیت ہے)

پھر آیت نمبر ۳۵۔ رکوع ۵ کی پہلی آیت میں فرمایا:-

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

حاصل ترجمہ آیت نمبر ۳۵:- اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں ایک چراغ ہو۔ اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو شیشہ ایسا ہو

گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ اور وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون سے روشن ہو رہا ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے گو اسے آگ بھی نہ چھوئی ہو۔ نور عَلیٰ نور ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ لوگوں کے لئے تمثیلی زبان میں کلام کرتا ہے یا ایک مثال بیان کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ ہر چیز کا علیم ہے۔

(۵) عِلْمٌ

قرآن کریم کے اسماء میں سے ایک نام قرآن مجید کا عِلْمٌ بھی ہے۔ یہ حقیقت کسی حال میں نظر انداز نہیں ہونی چاہیئے کہ قرآن کریم کے اسماء کا جو میں ذکر کر رہا ہوں یہ دراصل قرآن مجید کے صفات ہیں یا یوں کہو کہ قرآن کریم کے ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اس کو قرآن مجید کے اسماء یا صفات کے ضمن میں اجمالاً بیان کر دیا ہے۔

غرض قرآن مجید کے اسماء میں ایک نام عِلْمٌ بھی ہے۔ اور عِلْمٌ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان خواص الاشیاء کا ماہر مادی دنیا میں ہوتا ہے۔ اور عِلْمٌ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کے اندرونی خواص ظاہر ہوتے ہیں اور نیکی بدی کی شناخت اور قوتِ عملی کا

نشو و نما ہوتا ہے۔ اِس مسئلہ پر جس قدر ایک محقق غور کرتا ہے اسی قدر اس کے قوائے فکریہ اور ذہنیہ میں ایک نئی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آدم (علیہ السلام) کے متعلق بیان فرمایا کہ اسکی فضیلت کا سرمایہ وہ علم تھا جو ان کو دیا گیا تھا۔ مجھے یہاں اس مسئلہ پر زیادہ بحث نہیں کرنا بلکہ صرف ایک اشارہ کرنا ہے اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کہ قرآن کریم کا ایک نام علم ہے۔ آدم (علیہ السلام) کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور فضیلتِ علمی سے اسے ممتاز کرنے میں اس راز کا انکشاف بھی ضروری تھا کہ

انسان خود ایک حقیقتِ علمی ہے

اس نکتہ کو اِس طرح پر بآسانی سمجھایا جا سکتا ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان پیدا ہوتے وقت علم الاشیاء و خواص الاشیاء سے قطعاً ناواقف ہوتا ہے۔ مگر اس میں یہ صلاحیتِ طبعی موجود ہوتی ہے کہ تعلیم کے ذریعہ وہ ان حقائق و خواص سے واقف ہو سکے۔ اِس صداقت کا اظہار قرآن کریم نے سورۃ علق کی اس آیت میں فرمایا

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

یعنے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا۔ میں پھر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس آیت میں قرآن کریم نے فطرتِ انسانی کے خواص اور ان کی تربیت اور نشو و نما کے مقاصد پر جو لطیف اشارات کئے ہیں میں ان پر شرح وبسط کے ساتھ اِس موقع پر بیان نہیں کر سکتا۔

اس لئے کہ یہ تفسیر القرآن کے لئے موزوں ہے۔ میں یہاں صرف اشارہ کر سکتا ہوں۔ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی اور قرآن کریم کا علمی اعجاز ہے جو یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ جہالت کو علم سے دور کرنا چاہتا ہے۔ اور جس قدر اس کے علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر علمی ذوق اور علمی اشتہا بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور عصری تحقیقاتیں اور علمی ایجادات و انکشافات اس حقیقت کو علی الاعلان بیان کر رہے ہیں کہ انسان نے بال کی کھال اتارنے میں کہاں تک ترقی کی ہے۔

غرض قرآن مجید نے نہایت لطیف پیرایہ میں انسان کی علمی تلاش و ترتیب اور اس کے ظہور کے عہد کو بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کتاب لیکر آئے ہیں جو

تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔

اور تاریخی شہادت موجود ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ آفتاب علم کا طلوع ہوا۔ اور اب تو یورپ نے اس صداقت کو تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ ان میں علوم پھیلے۔ یہ امر دیگر ہے کہ یورپ نے مسلمانوں کر جو کچھ سیکھا تھا اس پر بہت اضافہ کر لیا اور ہو رہا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ علوم اور سائنس کی ترقیات کے اس عہد میں کوئی ایسی علمی صداقت نہیں جس سے قرآن کریم کا مقام بلند ثابت نہ ہوتا ہو۔

کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد ٭ شہد یست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

المختصر قرآن مجید کا ایک نام عِلم ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۟

(سورۃ رعد رکوع ۵۔ آیت ۳۷)

یہاں جیسا کہ میں قرآن کریم کے اسماء میں حُکْمٌ کے ذیل میں لکھ آیا ہوں قرآن مجید کا نام حُکْمٌ بھی رکھا اور وہ اس پر اس کی مزید صراحت کرتے ہوئے اس کا نام عِلْمٌ بھی رکھا۔

اسی مضمون کو سورۃ بقرۃ اور آل عمران میں بھی ادا فرمایا ہے۔ غائر نظر اور قرآن کریم کا وسیع مطالعہ بتائے گا کہ قرآن مجید فی الحقیقت عِلم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو علوم القرآن کے باب میں اسکی تصریح کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

(۶) بیان

قرآن مجید کا ایک اسم بیان بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۱۵۔ آیت ۱۳۷)

ترجمہ :- یہ قرآن مجید لوگوں کے لئے بیان اور متقیوں کیلئے
ہدایت اور موعظت ہے۔

(نوٹ) یہاں قرآن مجید کے تین نام بیان فرماتے ہیں ربیان، ہدیً و موعظۃ، مگر بیان کے لیے تو فرمایا کہ یہ لوگوں کے لئے بیان ہے۔ یعنے وہ اپنے احکام و ہدایات میں ایسا واضح اور ظاہر ہے کہ عام آدمی کے لئے بھی سہل اور آسان ہے۔ اس کی تعلیمات صاف صاف اور کھلی کھلی ہیں۔ اور جب انسان ان پر عمل کرتا ہے تو وہ ہدایت اور موعظۃ اس کے لئے ہو جاتا ہے اور انہیں متقی بنا دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید کے آغاز میں اس کے نزول کی علتِ غائی ہی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ بیان کی ہے۔ اور جب عملی قوتوں میں کامل نشو و نما ہو جاتا ہے تو انسان گویا ہدایت پر سوار ہو جاتا ہے۔ اسلئے فرمایا اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

قرآن مجید میں جیسا کہ قرآن کریم اسم کتاب کے ضمن میں بیان کر آیا ہوں متعدد مقامات پر اس کی صفت مبین بھی آئی ہے۔ اور یہاں قرآن کریم کو بیان کہا ہے۔ یہ اس کے واضح مفصل اور روشن دلائل کے مجموعہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا وہ خود ایک حقیقت ظاہرہ ہے اس میں کسی قسم کا خفا نہیں۔ نہ اس کی تعلیم میں نہ اوامر و نواہی میں۔ اور نہ دوسرے حقائق کے اظہار میں۔

قرآن مجید کبھی اپنے آپ کو آیات بیّنات کہتا ہے۔ تب اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر آیت ہر پہلو سے ایک بیّنہ ہے۔ وہ ایک صداقت واضح ہے۔ یہ خوبی صرف قرآن مجید ہی میں ہے کہ جیسے وہ دعوی اور دلائل کو خود بیان کرتا ہے اپنی تعلیمات اور ہدایات کو بھی ایسی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ کسی قسم کا شک و شبہ اسکے سمجھنے میں باقی نہیں رہتا۔ اس کو دوسرے مقام پر وہ لَا رَیْبَ فِیْهِ کہکر بیان کرتا ہے۔ اور کبھی اپنا نام نور رکھتا ہے اور کبھی حق کہلاتا ہے۔ یہ تمام اسماء اپنے اندر ایک لطیف اور لذیذ فلسفہ رکھتے ہیں۔ میں تو صرف اشارات لکھ رہا ہوں۔ ورنہ ہر ایک نام پر بجائے خود ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے اور پھر بھی اس کے عجائبات ختم نہ ہوں۔

(۷) بلاغ

قرآن مجید میں اس کا ایک نام بلاغ بھی آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳۔ رکوع ۷ آیت نمبر ۵۲ میں فرمایا:۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۟

ترجمہ:۔ یہ لوگوں کے لئے بلاغ ہے اور (اسلئے بھیجا گیا

ہے) کہ لوگوں کو (بصورتِ انکار آسنے والے عذاب سے)
آگاہ کیا جاوے اور معلوم کرلیں کہ ان کا معبود ایک ہی ہے
اور (اس کا یہ بھی مقصد ہے) کہ صاحب عقل نصیحت حاصل
کریں۔

بلاغ کے لغوی معنوں میں کافی ہونا پایا جاتا ہے۔ جو تمام
ضرورتوں کو پورا کرے۔ چنانچہ اس حقیقت کو سورۃ عنکبوت پارہ ۲۱
آیت ۵۱ میں دوسرے رنگ میں بیان کیا ہے۔ فرمایا

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ
ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۠

یعنی کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر ایک
ایسی کتاب نازل کی ہے جو اُن پر پڑھی جاتی ہے یقیناً اس کتاب
میں مومنوں کے لئے رحمت ہے اور ذکریٰ (نصیحت) ہے۔

قرآن کریم کے نزول اور وجود کو اللہ تعالےٰ نے کافی قرار
دیا ہے اور وہ ایک عظیم الشان نشان اور آیت ہے۔ اس پر عمل کرنے
والے خدا تعالےٰ کی رحمت کے مورد ہوتے ہیں اور وہ انہیں تاریخی
قوم بنا دیتا ہے۔ اور قرآن مجید خود ایک ایسی صداقت ہے کہ انسان
کی قوتِ ذکر و فکر کو ترقی دیتا ہے۔

غرض قرآن کریم کے اسم بلاغ میں یہ بلاغت ہے کہ وہ انسان

کی تمام ضروریات کے لئے مادی ہوں یا روحانی اپنے اندر تشریح قابل عمل اور مکمل ہدایت رکھتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شعر میں اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ فرمایا ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

قرآن مجید کے اسم بلاغ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ اور پیشگوئی ہے کہ یہ تمام قوموں تک پہنچ جائیگا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا اور آپ کے ذریعہ سے ہر قرآن کریم کے ماننے والے کو فرمایا گیا۔ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ کہ تیرے فرائض میں یہ امر داخل ہے کہ بلاغ مبین کر۔

اور سورۃ مائدہ میں فرمایا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ کہ اے رسول! جو تجھ پر نازل ہوا ہے اُس کی تبلیغ کر۔

غرض قرآن مجید میں مختلف مقامات پر قرآن مجید کی تبلیغ و اشاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے اسم بلاغ میں بھی اس امر کو بطور پیشگوئی رکھا ہے۔

بلاغ کے ترجمہ پیام میں بھی یہ امر داخل ہے۔ اس لئے کہ پیام کا مقصد اس کو پہنچا دینا لازمی ہے۔ اور پیام صریح ہوتا ہے اسمیں

سترِ و خفا یا ابہام نہیں ہوتا بلکہ واضح اور روشن ہوتا ہے۔

یہاں فرمایا کہ بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ہے۔ اس سے قرآن مجید کی دعوت کی عالمگیری کو بتایا ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت نسلِ انسانی کی طرف ہے اور وہ عالمگیر ہے جیسے فرمایا

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝

اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں کسی خاص ملک خاص قوم اور خاص وقت کے لئے نہیں بلکہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ دُنیا کے کسی حصہ میں ہو۔ اسی طرح قرآن مجید کے لئے فرمایا

بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

پھر پیام تخریبی بھی ہو سکتا ہے تعمیری بھی۔ قرآن مجید ایک ایسا پیام ہے جو اپنے اندر جامعیت رکھتا ہے۔ اس کا دائرۂ عمل تخریب یعنی بُرائیوں کو دُور کرنا اور ہٹا دینا ہے اور دائرۂ تعمیر اس کی جگہ نیکیوں اور خوبیوں کو پیدا کرنا ہے اس لئے اس مقام پر قرآن مجید کے تین کام بیان کئے ہیں۔

اوّل:۔ قرآن مجید متنبہ کرتا ہے اُن امور سے جو انسان پر تباہی لاتے ہیں۔

دوم:۔ قرآن مجید توحید الٰہی کا حقیقی علم عطا کرتا ہے جو ساری نیکیوں کی جڑ اور ساری برکتوں کا ذریعہ ہے۔

سوم:۔ قرآن مجید کی تعلیم پر عمل انسان کی فکری قوتوں اور دماغی

صلاحیتوں کو جِلا دیتا ہے اور اس طرح پر قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کے لئے تذکیر ہوتی ہے اور عمل قرآنی اسے تاریخی قوم میں داخل کر دیتا ہے۔

سورۃ انبیاء آیت نمبر ۱۰۶۔ رکوع ۷ میں فرمایا:۔

اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ بے شک اس میں عبادت کرنے والی قوم کے لئے بلاغ ہے اور ہم نے تو آپؐ کو رحمۃ للعالمین ہی کر کے بھیجا ہے۔ اس آیت سے بھی قرآن مجید کے مقام کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایسا پیغام ہے کہ انسان میں عبدِ کامل بننے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اور رحمۃً للعالمین کے برکات و فیوض سے حصہ لینے کا اہل بنا دیتا ہے۔ فافہم و تدبّر۔

(۸) حُکم

قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک نام اس کا حُکم ہے۔ جو قرآن مجید نے ہی بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ رعد رکوع ۵ آیت ۳۷ پارہ ۱۳ میں فرمایا:۔

وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ حُکْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے قرآن مجید کو بنام حُکمٌ اتارا ہے۔ اور حُکمٌ بھی مفصّل و واضح ہے (عربیّاً) اگر اس حصولِ علم کے بعد بھی تم نے ان لوگوں کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر اللہ تعالےٰ کے مقابلہ میں تیرا کوئی کارساز اور بچانیوالا نہ ہوگا۔

(نوٹ) صاف ظاہر ہے کہ اِس مقام پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا نام حُکمٌ رکھتا ہے۔ شاہی زبان میں حُکمٌ بمعنے فرمان ہوتا ہے۔ اور پھر اس فرمان کے متعلق فرمایا کہ وہ عربی زبان میں ہے۔ میں پیچھے عربی زبان کے متعلق مختلف جگہ تصریح کر آیا ہوں کہ عربی کے لفظ میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ حُکمٌ (فرمان) ایسی زبان میں ہے جو نہایت واضح اور بیّن ہے۔ اس میں کسی قسم کا اغلاق و ابہام نہیں۔ چنانچہ جس حُکمٌ کو دیکھو وہ اپنے حدود کے اندر واضح اور وسیع ہے۔ اس کے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے کسی قسم کی مشکل اور پیچیدگی نظر نہیں آتی۔ سورۃ رعد کی اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۳۱ میں قرآن کریم کے نزول کے مقاصد کو بصراحت و بلطافت بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کا مقصدِ نزول ہدایتِ خلق ہے عجوبہ آفرینی نہیں۔ اور اسی سلسلہ کی وضاحت کرتے ہوئے بالآخر فرمایا کہ

وہ تو حُکمٌ (فرمان) ہے

اور بھی عربی زبان میں اس میں ایک علم ہے۔ اسی آیت میں قرآن مجید کو

عِلم بھی فرمایا ہے جس سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور معرفت الٰہی ترقی کرتی ہے اور وہ اپنے وسعتِ مضامین کے لحاظ سے عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔

حُکم میں اچھا اور برا حکم بھی ہو سکتا ہے۔ اسلئے عَرَبِیًّا کا لفظ ساتھ رکھ کر واضح کر دیا ہے کہ قرآنی احکام اپنے اندر خیر و برکت رکھتے ہیں۔ اور یہ ایسا علم نافع ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طریق عمل کو اختیار کرنا ہلاکت کی راہ ہے۔ اور ایسا انسان خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے لیئے بجز ہلاکت اور خسران کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے بعض دوسرے مقامات پر بھی حُکم کا لفظ آیا ہے اور جب ان مقامات پر غور کیا جاوے تو قرآن مجید کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ قرآن مجید کا نام حُکم اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ قرآن مجید کے سچے متبعین کو حکومت کی نعمت سے بھی سرفراز کیا کیا جاوے گا۔ اس لیئے کہ وہ حامل و عامل قرآن ہوں گے جو بجائے خود حُکم ہے۔

(۹) بصائر

قرآن مجید کا ایک نام بصائر بھی ہے۔ چنانچہ سورۃ انعام رکوع ۱۳ آیت ۱۰۵ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

(۱) قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَ
مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

ترجمہ:۔ یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بصیرتیں آئیں پس جس شخص نے ان کا مشاہدہ کیا اس کا فائدہ اس کے نفس ہی کے لئے ہے اور جس نے اندھا پن اختیار کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔ اور میں تم پر نگہبان نہیں بنایا گیا۔

(۲) سورۃ اعراف رکوع آخری آیت ۲۰۴ میں فرمایا:۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ط
قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ط هٰذَا
بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ:۔ اور جب تو ان کے پاس کوئی نشان لیکر جائے تو کہتے ہیں کیوں کوئی نشان نہیں بنا لاتا۔ ان سے کہہ دو کہ میں تو جو کچھ میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے اسی کی اتباع کرتا ہوں۔ (میرے ارادہ اور پسند کا دخل نہیں۔) یہ قرآن مجید تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہے اور یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۳) سورۃ جاثیہ رکوع ۲ - آیت ۲۱ میں فرمایا :-

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ٥

ترجمہ :- یہ قرآن مجید لوگوں کے لئے مجموعۂ بصیرۃ اور ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو یقین کرتی ہے۔

اِن مقامات میں قرآن مجید کو بصائر فرمایا یعنی مجموعۂ بصیرت یا سرمایۂ حقائق و معرفت - آنکھ سے جن چیزوں کا مشاہدہ کر کے ہم ایک علم اور یقین حاصل کرتے ہیں اسے بصارت کہتے ہیں لیکن قلب سے جیسا کامل ادراک اور عرفان حاصل ہوتا ہے تو اس کو بصیرۃ کہتے ہیں۔ قرآن مجید ہے۔ ان ذکر و فکر کی قوتوں کو نشو و نما دیتا ہے اور مشاہدات سے ایک معرفت اور شعور پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ مخلوق کو زندگی سے بصیرۃ عطا فرماتا ہے

اس لئے اس کا نام بصائر رکھا - یوں کہو اس کی ہر آیت انسان کے لئے چشمِ حقیقت اور آئینۂ معرفت ہے۔

قرآن مجید ایک طرف عقلی اور علمی دلائل کو لیتا ہے - دوسری طرف وہ ایک ایسی قوت یقین پیدا کرنے کے سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور انسانی روحانی ارتقاء کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لئے وہ سامانِ بصیرۃ نہ رکھتا ہو - اس لئے ان آیات مذکورہ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مومنوں اور یقین کرنے والوں کے لئے

ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے ذریعہ ایمان کا بیج نشو ونما پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان صحیح طریق پر منزلِ مقصود کو پا لیتا اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور ہر قدم پر وہ رحمتِ باری کے آثار مشاہدہ کرتا ہے۔ نہ صرف ان آنکھوں سے دیکھتا ہے بلکہ اس کے قلب میں قوتِ یقین راسخ ہو کر نفسِ مطمئنہ کو پا لیتا ہے۔

میں تفصیل سے اس کے مختلف شعبوں پر بحث کرتا مگر میں چاہتا ہوں کہ قارئین کرام خود اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میں ان کے لئے ایک راہِ فکر پیدا کر دیتا ہوں۔

مثلاً ایک جگہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ یعنی ہم نے اسے قرآن عربی بنایا ہے کہ تمھاری عقلی قوتوں میں بالیدگی ہو۔ پھر اس مقصد کے لئے کبھی مظاہرِ قدرت کو پیش کرتا ہے۔ اور اس طرح پر مختلف علوم کے دروازے کھولتا ہے۔ کبھی خود انسان کی اپنی بناوٹ، پیدائش اور اس میں جذبات کی فلاسفی بیان کرتا ہے۔ اخلاق کا فلسفہ اور تمدن کی بحث کرتا ہے سیاست دانی کے اصول اور قوانین کی تعلیم دیتا ہے۔ غرض ہر رنگ میں انسان کی معرفت اور یقین میں ترقی کے سامان مہیا کرتا ہے۔ اس لئے اس کا نام بصائر رکھا۔ وللہ الحمد۔

(۱۰) القول الفصل

قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک نام القول الفصل ہے جیسا کہ سورۃ طارق پارہ ۳۰ میں فرمایا:-

(۱) اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝

یعنی قرآن کریم قطعی اور آخری بات ہے وہ کوئی بے فائدہ اور کمزور کلام نہیں ہے۔

یہاں قرآن کریم کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ القول الفصل ہے اس سے قرآن مجید کی عظمت کا پتہ لگتا ہے۔ اس لفظ کے اندر یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ قرآن کریم خدا تعالےٰ کی طرف سے آخری شریعت ہے جو انسانی ضروریات اور قضایا کے لئے ایک حکم اور قاضی کی حیثیت رکھتا ہے جس کا فیصلہ آخری اور ناطق ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اس صفت کے اظہار و استحکام کے لئے ساتھ ہی فرمایا کہ وہ بے فائدہ اور کمزور کلام نہیں۔ وہ ہر قسم کے حشو و زوائد سے پاک اور فیصلہ کن قوت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن کریم کو کہیں میزان فرمایا کہیں عدل کہا۔ کبھی حق اس کا نام رکھا اور کہیں مہیمن فرمایا۔

اور یہ ایک ایسی صداقت ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہر عقلمند اور غیر متعصب انسان کو یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم ایک حقیقی رہنما اور امام ہے۔

قرآن مجید نے مسلمانوں پر ایک آنے والے فتنہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا

رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۝

اے میرے رب میری قوم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا۔ یہ ترکِ قرآن کریم کئی طرح پر ہوا منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ علمائے سُوء نے مسلمانوں کو قرآن کریم سے دُور لیجانے میں یہ عقیدہ پیدا کر دیا کہ

حدیث قرآن پر قاضی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ مقام تو قرآن کریم کا تھا مگر ان نااہلوں نے یہ کہکر قرآن کریم کی ہتک کی۔ اگر وہ یہ کہتے کہ حدیث صحیح قرآن کریم کی خادم اور مؤیّد ہے تو بات ٹھیک بھی ہوتی مگر انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ سچ ہے ؎

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ بشارت تھی کہ وہ ایمان کو ثریّا سے لائے گا۔ اس لئے آپ نے اس خطرناک غلطی سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور قرآن کریم کے حقیقی مقامِ رفیع کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ:۔

"مجھ کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر

ظاہر کروں"۔

اور بڑی تفصیل سے مباحثہ لدھیانہ میں اِس حقیقت کو مبرہن فرمایا۔

غرض قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے القول الفصل قرار دیا ہے۔ اور اسے تمام امور میں قاضی اور حَکم ٹھہرایا ہے۔ ایک قاضی یا جج بعض اوقات اپنے فیصلوں میں کمزور اور بودی باتیں بھی بیان کرجاتا ہے جو عدالتِ اپیل میں جاکر کمزور ہونے پر اس کے فیصلہ کو رد کردیا جاتا ہے۔ مگر یہاں قرآن مجید کے متعلق یہ فرمادیا کہ وہ ایسا قول الفصل ہے جس میں کسی قسم کی کمزوری اور بوداپن نہیں۔ اس لئے کہ ھزل کے کے لغوی معنوں میں یہ امر داخل ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمزوری اور بوداپن نہ ہو۔ نیز یہ کہ وہ ثقاہت اور متانت سے گرا ہوا نہ ہو۔ گویا قرآن مجید اپنی قوّتِ فیصلہ میں بھی بے نظیر ہے اور اپنے اسلوبِ بیان میں اتنا رفیع الشان مقام رکھتا ہے کہ کوئی امر متانت، شرافت اور ثقاہت کے خلاف نہیں۔ اور ہو کیسے سکتا ہے کہ اس کا نزول تو بطور متقیوں کے ہدایت نامہ کے ہوا ہی اور وہ تہذیب و تزکیہ نفس کے لیے اُترا ہے اور اس کی تاثیرات نے دُنیا پر ثابت کردیا ہے کہ اس خصوص میں وہ حیرت انگیز قوت و تاثیر رکھتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے تلخ ترین دشمنوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہا کہ قرآن کریم کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربوں میں جو انقلابِ عظیم پیدا کیا وہ بینظیر ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ

قرآن مجید نے سورۃ تکویر میں قرآن کریم کی عظمت کے اظہار میں یہ فرمایا۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یعنے قرآن مجید کے لانے اور پہنچانے والا ایک عظیم الشان رسول ہے۔ اس سے اگلی آیات میں عظیم الشان پیشگوئیوں کی اطلاع دی گئی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و سطوت کا اعلان کر رہی ہیں۔ تو یہ بالواسطہ قرآن کریم کی حقانیت اور اس کے قول فصل ہونے کی دلیل ہے۔

بعض اوقات حقائق کا ثبوت ان کے اثر انداز علامات سے دیا جاتا ہے۔ یہاں اسی طریق کو پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کو بیان کر کے بتایا ہے کہ شریعت، قانون اور انذار و تبشیر کے وعدے کسی معمولی انسان کے ذریعہ نہیں دیئے گئے (یہ تمام امور تو قرآن کریم ہی نے بیان کئے ہیں) اور یہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس پیغام کے رسول کے مقام پر پیش کر کے استدلال کیا ہے۔ کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ رسول کریم ہے یعنے اپنے فرض رسالت کو نہایت دیانت اور قوت سے ادا کرنے والا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تکریم ہو رہی ہے۔ اور اس کے رسول کریم ہونے کا ظاہری ثبوت اس امر سے مل جاوے گا کہ وہ جو آج ایک بے کس انسان ہے وقت آتا ہے کہ بادشاہ اس کے جلالی نام سے لرز جائیں گے اور ہر قسم کی قوت کا مالک ہوگا۔ اور وہ ایک طاقتور

سلطنت کا بادشاہ ہو کر بھی ہر قسم کے ظلم اور فساد سے پاک اور خدا تعالےٰ کے مقرّب ہو گا۔ اور وہ مطاع اور امین ہو گا یعنے لوگ اسکی اطاعت کسی جبر سے نہیں کریں گے بلکہ وہ اس شعور اور بصیرت سے کریں گے کہ وہ اپنے احکام اور فیصلوں میں امین ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اِن صفات کو بیان کر کے دراصل قرآن مجید کے صفات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے دُنیا کی سب سے بڑی فقیہہ خاتون حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ تو قرآن کریم ہے

قرآن مجید کی سلبی صفات

اسی سلسلۂ اسم القول میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض سلبی صفات کا ذکر بھی کردوں یعنے قرآن کریم کیا ہے؟ یہ تو اُوپر بتایا گیا ہے کہ القول الفصل ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ کیا نہیں ہے؟

پہلی بات تو یہ بتائی جس کا مَیں اُوپر ذکر کر آیا ہوں کہ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ نہیں۔ اسی سورۃ میں آگے فرماتا ہے جو دوسری بات ہے

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ

اِس رسول کریم پر نازل ہونے والا کلام شیطان رجیم کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔

شیطان کے معنے ہیں خدا تعالےٰ سے دُور کرنے والا اور

ہلاک ہونے والا۔ اس طرح پر فرمایا کہ قرآن کریم میں تو کوئی ایسا امر نہیں
جو خدا تعالےٰ سے دُوری کا ذریعہ ہو سکے۔ اس کی تعلیم پر عمل کرنے سے
تو انسان خدا تعالےٰ کے قرب کو پا لیتا ہے۔ کبھی اللہ تعالےٰ اسے پیارے
نفس مطمئنّہ کے نام سے پکارتا ہے۔ کبھی اسے کہتا ہے میرے بندوں
میں داخل ہو جا۔ اور کبھی اس کو اس مفہوم سے ادا فرماتا ہے کہ اللہ
کے بندوں میں داخل ہونا تو خدا تعالےٰ کی جنّت میں داخل ہونا ہے
غرض قرآن کریم تو قربِ الٰہی اور جنّتی زندگی کی تعلیم دیتا اور
رہنمائی کرتا ہے۔ اس پر عمل کرکے تو انسان ہلاکت سے بچ کر حیاتِ
ابدی پا لیتا ہے۔ پس فرمایا کہ واقعات اس حقیقت کو جو آج تمہاری
نظروں سے پوشیدہ ہے ظاہر کر دیں گے اور وہ ثبوت ہو گا اس امر
کا کہ یہ خدا ئے بزرگ و برتر کا کلام ہے۔ جب اس کے ماننے والے
قربِ الٰہی کے مقام کو حاصل کر لیں گے تو اس کا ثبوت یہ ہو گا کہ انکی
عملی زندگی نہایت مطہّر ہوگی اور خدا تعالےٰ اپنے قرب کی علامات
کو ان کے وجود میں ظاہر کر دے گا۔ ان کی دُعائیں قبول ہوں گی۔
اللہ تعالےٰ ان سے کلام کرے گا اور اپنی بشارتوں سے انہیں مسرور
کرے گا۔ وہ قبل از وقت خدا تعالےٰ سے اطلاع پا کر ایک خبر
بیان کریں گے جو پیشگوئی ہوگی اور وہ پوری ہوگی۔

شیطان تو ایک مردود اور دھتکاری ہوئی ہستی ہے اسکے
قول پر عمل کرنے والوں میں تو ہلاکت اور دھتکار ہوگی۔ مگر قرآن مجید

کے ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والی قوم نہ صرف قرب الٰہی کے مقام اور حیاتِ نو کو حاصل کرے گی بلکہ اللہ تعالےٰ ہر رنگ میں اسے عزّت و رفعت کے مقام پر کھڑا کرے گا اور ساری عزّتیں پھر ان کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوں گی۔ تاریخ قرآن اور تاثیراتِ قرآنی کا طالب علم دُنیا کی تاریخ میں ان آثار و علامات کو دیکھتا ہے اور بلا اشتباہ اُسے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ

یہ شیطانی کلام نہیں ہو سکتا

تیسری بات اور چوتھی بات

پارہ ۲۹۔ سورۃ حاقہ کی آیات ۴۱، ۴۲، ۴۴ میں فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ یقیناً قرآن کریم ایک رسول کریم کے ذریعہ آیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ شاعرانہ بات نہیں تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور یہ کسی کاہن کی بات بھی نہیں ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

قول رسول کریم کے متعلق اُوپر بحث ہو چکی

ہے۔ یہاں قرآن مجید کی بحیثیت کلام اور سلبی امور کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ قرآن مجید تو رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ پہلے بتایا کہ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ پھر فرمایا مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اب تیسری بات یہ بتائی کہ وہ شاعرانہ کلام نہیں۔

شاعرانہ کلام کے متعلق سورۃ شعراء میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ شاعر کا تخیل اس میں عملی قوت پیدا نہیں کرتا اور اس کے اقوال میں روح عمل نہیں ہوتی۔ اور اس کی عملی زندگی الا ماشاء اللہ کوئی جذب اور کشش نہیں رکھتی مگر قرآن کریم تو اپنے اندر پاک تبدیلی کے لئے حیرت انگیز قوت رکھتا ہے۔ وہ تخیل نہیں حقائق کا سرچشمہ ہے۔ اور معدن علوم ہے۔

چوتھی بات یہ بتائی کہ وہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں۔ کاہن وہ لوگ ہوتے ہیں جو گنڈے تعویذ کرتے یا نجوم و رمل وغیرہ علوم کے ماہرین کے لباس میں ظاہر ہو کر بظاہر غیب گوئی کی بڑیں ہانکتے ہیں جن میں حقیقت اور صداقت نہیں ہوتی اور خود ان کی عملی زندگی بھی نہایت ذلیل اور خراب ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے کلام میں اس قسم کی لغویات کی نفی کی۔ اور بالآخر فرما دیا کہ وہ تو

رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے

یہ کہہ کر قرآن مجید کے دائرہ تبلیغ کی وسعت کو ظاہر کر دیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ ربوبیت کے فیضان کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

(۲) قرآن مجید سورۃ مومنون پارہ ۱۸ - رکوع ۴ - آیت ۶۹ میں فرماتا ہے:-

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

ترجمہ:- پھر انہیں کیا ہو گیا کہ انہوں نے القول (قرآن کریم) پر غور نہیں کیا یا انہیں کوئی ایسا امر پیش آ گیا جو ان کے بزرگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔

(نوٹ) یہاں قرآن مجید کو لفظ المقول سے بیان کیا ہے۔ اور یہ رکوع انسان کو اس کے فطری جذبات اور احساسات کے مشاہدہ کے ساتھ نبوت اور قرآن کریم کی صداقت کے ماننے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور یہ کہ کس طرح پر انسان ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے ان اسباب کو بتایا ہے۔ یہاں مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ قرآن کریم کا نام القول رکھا ہے اور اس پر تدبر کا حکم دیا اور عدم تدبر کے نتائج اور عواقب سے ڈرایا۔ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے:-

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (سورۃ محمدؐ)

ترجمہ:- کیوں قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے۔ کیا اُن کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

گویا قرآن کریم پر عدم تدبر سے انسان کی قلبی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں اور وہ ذوق شوق جو قرآن کریم کی تلاوت اس کے فہم اور اس پر عمل

کے لئے پیدا ہوتا جاتا رہتا ہے۔

(۳) پارہ ۲۳-سورۃ زمر رکوع ۲-آیت ۱۸ میں فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ:- وہ جو القول (قرآن کریم) کو سنتے ہیں پھر اس کی ہدایات پر اچھی طرح عمل کرتے ہیں یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو عقل صحیح دی گئی ہے۔

اِس سے پہلی آیت میں عباد اللہ کی صفات ان کی عملی زندگی کو پیش کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اور اِس آیت میں ان کی پاکیزہ عملی زندگی کے اسباب کو بیان کیا کہ وہ قرآن مجید کو توجہ سے سنکر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

(۴) پارہ ۱۳-سورۃ ابراہیم-رکوع ۴-آیت ۲۶ میں فرماتا ہے:-

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ

یعنے اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو جو قول الثابت (قرآن کریم) پر ایمان لاتے ہیں دُنیا اور آخرت کی زندگی میں

ایک ثبات قدم عطا فرماتا ہے۔ یعنے ان کے لئے ایک قرار وسکون اور بقاء و دوام ہوتا ہے۔ اور خدا کی بھیجی ہوئی صداقتوں کا انکار کرنے والے ظالم طبع لوگ اُن کے مقابلہ میں ناکام و نامراد رہ جاتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس مقام میں اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی مثال لفظ کلمۃ سے تعبیر کر کے شجرۃ طیّبۃ سے دی ہے۔ اور اس کے دائمی برکات وثمرات کا ذکر کیا ہے۔ مَیں کسی دوسرے مقام پر ایک مختصر سی بحث اس پر کر آیا ہوں۔ یہاں صرف اس قدر بتانا ہی کافی ہے کہ خدا تعالےٰ نے یہاں ایک قانون کا ذکر فرمایا ہے جو سنّت اللہ استمراری کے ماتحت جاری ہے۔ اور وہ قانون بقا و فنا ہے۔ اس قانون کو کلمۃ طیّبۃ اور کلمۃ خبیثۃ کے نام سے تعبیر کر کے شجرہ طیّبہ اور شجرہ خبیثہ کی مثال سے سمجھایا ہے کہ کلام الٰہی اپنی برکات دائمی اور تاثیرات غیر فانی لیکر آیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں آنے والے کسی شخص یا قوم کو قوت و استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔ ماننے والے افراد اس نعمت سے متمتع ہوں گے۔ اس لئے کہ ان پر مختلف قسم کے ابتلاؤں کے جھکڑ اور آزمائشوں کی آندھیاں چلتی ہیں لیکن خدا تعالےٰ ان کے قلوب میں ایسی قوت اور استحکام عطا کر دیتا ہے کہ وہ طوفان میں چٹان کی صورت کھڑے رہتے ہیں۔ دراصل یہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت اور آپ پر نازل شدہ کتاب کے متعلق پیشگوئی

ہے

جسکی صداقت ہر زمانہ میں نمایاں ہے۔

غرض قرآن مجید کے اسماء میں سے القول اور القول الثابت بھی اس کے نام ہیں۔

اللّٰھمّ ثبّت آقد امنا وقلوبنا بالقول الثّابت

(۱۱) الحقّ

قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک نام حق بھی ہے۔ حق سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک حقیقت ثابتہ اور صداقت ثانیہ ہے۔ قرآن مجید کے مختلف اسماء میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نور ہے، وہ فرقان ہے۔ یعنی حق و باطل میں جھوٹ اور سچ میں ایک امتیاز پیدا کرتا ہے۔ اور جبکہ وہ ایک معیار اور محک ہے، ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کے لئے پھر وہ خود غور کریں، حقیقت نفس الامری نہ ہوگا۔ اور اسی کا نام حق ہے۔

قرآن مجید اپنے آپ کو حق ہی نہیں کہتا بلکہ وہ تو تحدی کرتا ہے کہ باطل اس کے قریب ہی نہیں آسکتا۔ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِه۔

قرآن مجید میں مختلف پیرایوں میں اس کو الحق کہا گیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن مجید کی جو صفات بیان ہوئے ہیں

وہی صفات ایک دوسرے رنگ میں خود حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نور ہے، برہان ہے اور قرآن کریم بھی ان اسماء اور صفات سے موسوم و موصوف ہے۔

قرآن کریم کے متعدد مقام پر یہ نام آیا۔ میں صرف ایک دو مقام کے متعلق صراحت کر کے باقی کی طرف صرف اشارہ کروں گا تاکہ قارئین کرام تدبر کریں۔

(۱) پارہ ۱۱ سورۃ یونس رکوع ۱۱۔ آیت ۱۰۹ میں فرمایا:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝

ترجمہ:۔ کہدو اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے حق (قرآن مجید) آگیا ہے۔ پس جو شخص ہدایت کو اختیار کرتا ہے تو اس ہدایت کے اختیار کرنے کا فائدہ اسی کو ہے اور جو اس راہِ ہدایت سے بھٹکتا ہے۔ (یعنے اس کے خلاف کرتا ہے) تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور میں کوئی تمہارا ذمہ وار نہیں ہوں۔

(نوٹ) قرآن کریم نے نہ صرف اِسی جگہ بلکہ متعدد مقامات پر اس اصل کی تعلیم دی ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے نبیوں کے ذریعہ

حق و صداقت کو پیش کرتا ہے اور راہِ ہدایت کی راہنمائی نبیوں کی عملی زندگی اور ان کی کامیابیوں سے کرتا ہے۔ عقلی اور فطری دلائل بھی اس مشعلِ ہدایت کی تائید کرتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ اسے قبول کرے۔ ردّ و قبول کے لئے ہر شخص آزاد اور مختار ہے۔

چنانچہ سورۃ حٰم سجدہ پارہ ۲۵ - آیت ۴۷ میں فرمایا:-

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ط وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○

ترجمہ:- جس نے عمل صالح کیا اس کا نفع اور فائدہ اسی کے لئے ہے اور جس نے بُرا کام کیا اس کی سزا اُسی کے لئے تیرا رب بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

اور انبیاء علیہم السلام کے لئے متعدد جگہ فرمایا۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغ ۔ رسول کا اتنا ہی کام ہے کہ جو پیغام اسے دیا گیا ہے اسے پہنچا دے۔

قرآن کریم کے اس مقام پر جو اس کے اسم حق کے اظہار کے لئے میں نے پیش کیا ہے یہی اصل دوہرایا گیا ہے اور قرآن مجید کو حق کہا گیا ہے۔ میں یہاں حق قرآن مجید ہی کا نام سمجھتا ہوں اس لئے کہ اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ یعنی جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس کی اتباع کر۔

جس طرح پر نور کے آنے سے ظلمت کافور ہو جاتی ہے اسی طرح پر حق کے آنے پر باطل نہیں رہ سکتا۔ اس صداقت کو قرآن مجید نے دوسرے مقام پر نہایت بلیغ رنگ میں پیش کیا ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥

کہہ دو حق آگیا اور باطل بھاگ گیا یقیناً باطل کو بھاگنا ہی تھا یعنے وہ حق کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

سورۃ یونس کی مندرجہ بالا آیت میں جہاں اس اصل کو تسلیم کیا کہ ہدایت کا رد و قبول ہر شخص کے لئے آزادانہ فعل ہے۔ اس میں کسی پر جبر نہیں۔ وہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ہر داعی حق کی پوزیشن کو واضح کر دیا ہے۔ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو یہ کہکر واضح کیا مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ تو ان لوگوں پر ایک جابر حاکم کی طرح نہیں۔ اور ایک اور مقام پر فرمایا لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ٥ تم کو ان پر داروغہ نہیں مقرر کر دیا گیا کہ ڈنڈے کے زور سے منوا لے۔ اور ہر ایک جگہ یہ کہہ کر اس صداقت کو آشکار کیا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں جبر نہیں ہو سکتا۔

غرض قرآن کریم حق ہے۔ اب میں بعض دوسرے مقامات کے حوالہ جات دیدینا کافی سمجھتا ہوں۔

(۱) سورۃ ق پارہ ۲۶ - رکوع اول آیت ۶

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ○

ترجمہ :- بلکہ ان منکرین قرآن کریم نے حق کی تکذیب کی جبکہ وہ ان کے پاس آیا - (حقیقت یہ ہے کہ) وہ ایک الجھن میں پڑے ہوئے ہیں -

بعض مفسرین یہاں حق سے مراد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود لیتے ہیں - میں جیسا کہ لکھ آیا ہوں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود بھی قرآن کریم ہی ہے جیسا کہ حضرت ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی سیرت کو قرآن کریم کے نام سے تعبیر فرمایا - اور قرآن مجید حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے

میں دوسرے رنگ میں اس جگہ قرآن مجید ہی مراد لیتا ہوں - کہ اس سورۃ میں قرآن مجید ہی کو بطور ایک شاہد صادق پیش کیا گیا ہے -

(۲) سورۃ یونس رکوع ۱۰ - آیت ۹۴

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○

ترجمہ:۔ اور اگر تمہیں کسی قسم کا شک ہو اس وحی میں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تو ان سے دریافت کرو جو آپ سے پہلے کی کتابیں پڑھتے ہیں یعنے اہل کتاب سے۔ یقیناً تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے۔ اے مخاطب ہرگز شک کرنے والوں سے نہ ہو۔

یہاں مخاطب مراد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر تو وحی اُتر رہی تھی آپ شک و شبہ کیونکر کرسکتے تھے ؟

(۳) سورۃ حٰم سجدۃ پارہ ۲۵۔ آیت ۵۳

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

یعنے۔ ہم نے ان کو آفاق میں بھی اور خود ان کی جانوں کے اندر بھی نشانات دکھاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان پر صاف کھل جائے گا کہ یہ قرآن الحق ہے کیا اِس صداقت کے پُورا ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت اُن مکّی سورتوں میں سے جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں حٰمٓ سجدہ کی آیت ہے۔ یہ سورتیں اپنی

تاریخ نزولی کے لحاظ سے ایسے زمانہ میں نازل ہوئیں جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی خطرناک مخالفت کی جارہی تھی۔ اور زمین باوجود فراخی کے آپ
پر تنگ ہورہی تھی۔ دُنیا کا کوئی مفکر ان حالات کے پیش نظر یہ تصور
بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی کامیابی ہوسکتی ہے
مگر قرآن مجید کو پڑھو اور غور کرو کہ وہ عظیم الشان پیشگوئیاں جو آپ
کی کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی کا اعلان کرتی ہیں ابتدائی زمانہ کے ایام
کی ہیں۔ دشمن ایک عزم صمیم کے ساتھ اپنی تمام کوششوں کو منظم
اور تمام طاقتوں کو متحد کر کے مقابلہ میں آیا ہے اور یہ یکہ و تنہا انسان
ان کے منصوبوں کی آماجگاہ ہے محض اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید
کی دعوت دیتا ہے اور شرک کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں
اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکینِ مکہ اپنے اردگرد اور اپنے نفوس میں بھی
الٰہی نشانات کا مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر روزِ روشن
کی طرح کھل جاویگا کہ

اَنَّهُ الحَقُّ

یہ معمولی دعوےٰ اور تحدّی نہیں جو ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ
آیات اللہ کا اندر اور باہر سے ایسا پُرشوکت سلسلہ جاری رہیگا
کہ ان کو اقرار کرنا پڑے گا کہ

قرآن کریم حق ہے

اور فتح مکہ کے دن یہ نظارہ دیکھا گیا اور سب نے بالاتفاق اس کا اظہار

رکیا۔ قرآن کریم نے جو قوتِ یقین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے قلوب میں پیدا کردی تھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ قرآن کریم نے اپنی صداقت کا مختلف مقامات پر پُرشوکت الفاظ میں اعلان کیا ہے کبھی فرمایا لَا رَیْبَ فِیْہِ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور کبھی فرمایا اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ ؕ بے شک وہ ایک ایسی کتاب ہے جو عزیز ہے وہ اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے تمام ادیان و ملتوں کے علوم پر غالب ہے۔ اس کے ماننے والے دُنیا میں غالب رہیں گے۔ وہ خود معزز ہے، ماننے والوں کو معزز بناتی ہے۔ باطل اپنے ہر حملہ میں اس کے مقابلہ میں ناکام و نامراد رہے گا خواہ آگے سے آئے یا پیچھے سے۔

غرض قرآن کریم کا ایک نام الحق ہے اور اس میں یہ قوت ہے کہ باطل اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ جیسا الحق آتا ہے تو باطل اپنی تمام نحوستوں کو لیکر بھاگ جاتا ہے۔

(۴) پارہ ۲۲ سورۃ سبا رکوع ۶۔ آیت ۴۸ و ۴۹ میں فرماتا ہے:-

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ (۴۸)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ۝ (۴۹)

یعنے۔ اعلان کردو کہ یقیناً میرا رب اُڑا دے گا (باطل کو) حق کے ساتھ۔ وہ علام الغیوب ہے۔ کہدو کہ حق آچکا ہے اور باطل کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ نہ وہ اپنی کسی طاقت کا آغاز کرتا ہے اور نہ گذری ہوئی قوت کو لوٹا سکتا ہے۔

اِن آیات میں بھی قرآن مجید کی (بہ حیثیت حق) اعجازی قوت کا اظہار ہے۔ اور ایسے وقت میں جبکہ دشمن اس کے مٹا دینے پر تُلے ہوئے تھے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم اس کو دُنیا میں پھیلا دیں گے ۔ یَقْذِفُ کے معنے دُور پھینکنا بھی ہیں۔ اور اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اسے اکنافِ عالم میں پھیلا دیں گے۔ اور یہ معنے اس مقام پر اسلئے بھی صحیح ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کی صفت عَلَّامُ الْغُیُوْب کا اظہار فرمایا ہے۔ اور پھر حق کی قوت اور باطل کی کامل شکست کا بھی دعویٰ کیا۔ اس حق کے مقابلہ میں اب باطل محض ناکارہ و نامراد ہو چکا ہے۔

اِس دعویٰ کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمائی ہے :۔

(۵) سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷۔ رکوع ۲۔ آیت ۱۸ میں فرمایا:۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝

اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حق و باطل کی جنگ کا ایک دائمی

قانون کا ذکر کیا ہے - اور اس سے پہلے اس قانون اور عادت اللہ کی صراحت فرمائی ہے کہ آبادبستیاں کس طرح پر برباد اور نابود ہوتی ہیں - اور باطل پرست قوموں کو مٹا دیا جاتا ہے - اسی سلسلہ میں یہاں فرمایا ہے کہ :-

ہم حق کے ذریعہ باطل پر ایسی مار مارتے ہیں کہ حق اس کا سر کچل دیتا ہے اور وہ فنا ہو جاتا ہے - افسوس تم پر تم کیسی باتیں کرتے ہو - الٰہی قانون کے ماتحت قرآن مجید کا غلبہ ہو کر رہے گا -

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اسے الحق قرار دیا ہے - قارئین کرام خود تدبر کرلیں -

(۱۲) صدق و عدل

قرآن مجید کا ایک نام صدق و عدل بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے - چنانچہ سورۃ انعام رکوع ۱۴ - آیت ۱۱۶ میں فرماتا ہے :-

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

ترجمہ :- اور تیرے رب کا کلمہ کمال صدق اور کمال عدل پر ہے - اس کے کلمہ میں تغیّر و تبدّل نہیں اور وہ السمیع العلیم ہے -

(نوٹ) اس آیت سے پہلی آیت میں قرآن کریم کے اہم کتاب کا ذکر اور قرآن کریم کے نزول کی بحث ہے۔ اس پر میں اہم الکتب میں بحث کر آیا ہوں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اسی سلسلہ میں قرآن کریم کو صدق اور عدل فرمایا ہے۔

عربی زبان کے خصائص میں سے یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ کبھی وہ اسم فاعل کی بجائے صفت کو استعمال کرتا ہے۔ اور اس سے مراد اس صفت کے کمال کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قرآن مجید کو صدق اور عدل کہا گیا ہے۔ یعنی صدق اور عدل اپنے انتہائی کمال کو لئے ہوئے ہے۔ اس پر کسی اور کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ صدق اور عدل کے باریک سے باریک شعبے بھی قرآن مجید بیان کرتا ہے اور یہ اس کے کمال کا ثبوت ہے۔

انسان کی عملی میں عدل اور صدق کے تمام پہلوؤں پر ایسی روشنی ڈالی ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ زندگی کے عام ضابطہ عمل کیلئے حفاظت حقوق کے لئے فرمایا۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی عدل کرو کہ عدل انسان کو تقویٰ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی جہاں خون و گوشت سے انسان کھیلتا ہے اور دیوانہ وار اس کی قوتوں میں ہیجان ہوتا ہے عدل کا ہی حکم دیا ہے۔

قرآن کریم کا نام صدق اور عدل رکھ کر بتایا ہے کہ صدق اور عدل کے جو مختلف شعبے ہو سکتے ہیں وہ سب قرآن مجید کی تعلیم

میں اس کمال اور خوبی سے موجود ہیں کہ گویا پیکرِ صدق وعدل ہے۔
میں اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے ایک مختصر سا اشارہ کرتا ہوں۔
اور ذہین اور سلیم الفطرت قاری اس سے فائدہ اٹھاکر اس مضمون کی وسعت
اور ہمہ گیری کو سمجھ سکتا ہے۔

عدل کے متعلق حکم دیا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ یہ عام حکم ہے لیکن عدل
کبھی شخصی ہوتا ہے کبھی جماعتی۔ اور دونوں کے فرائض الگ الگ
ہیں۔ جماعتی رنگ میں حکومتوں اور بین الاقوام امور میں عدل کو
قائم رکھنا۔ اس چیز کے نہ ہونے سے قومی عداوتیں اور پھر خطرناک
جنگیں ہو جاتی ہیں۔

قرآن مجید ان تمام شاخوں پر بحث کرتا ہے۔ وہ انسانوں میں اسکے
قائم کرنے کے لیئے جنبہ داری کو روکتا ہے۔ عدم مساوات کو نفرت
سے دیکھتا ہے۔ اداے شہادت کے وقت خواہ وہ اپنے کسی عزیز
سے عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو دلیری سے عدل پر قائم رہنے
کی ہدایت کرتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتب
سماوی کے نزول کی غرض بھی بیان کرتا ہے جیسا کہ سورۃ حدید میں
فرمایا:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ
اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ

النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (سورۃ حدید رکوع ۳ آیت ۲۵)

ترجمہ:- ہم نے بلاشبہ رسولوں کو دلائل و آیات دیکر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازوئے عدل) کو اتارا تاکہ وہ لوگوں کو عدل پر قائم کریں۔

عدل کو ملحوظ رکھتے وقت انسان میں وسعتِ نظر اور قوتِ فکر میں ترقی ہوتی ہے۔ عدل کے ساتھ صدق لازمی چیز ہے اسلئے یہاں قرآن مجید کی دونوں صفات کو جمع کر دیا ہے

اسی طرح پر صدق کے متعلق تمام ان صداقتوں کو جمع کر دیا ہے جو انسان کی خانگی، قومی اور بین الاقوامی زندگی کے لئے ضروری تھیں خواہ وہ صدقِ قولی ہو یا صدقِ نیّت و ارادہ۔ مثلاً صدقِ عزم، صدق وفاء، صدق عمل وغیرہ۔ قرآن مجید صادقین کے متعلق حکم دیتا ہے۔ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ گویا کمالِ تقویٰ صحبتِ صادقین سے حاصل ہوتا ہے۔ اور انعاماتِ الٰہیہ میں سے صدّیقیت کو ایک انعام خاص ٹھہرایا۔ غرض قرآن مجید کا نام صدق اور عدل رکھ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ صدق و عدل کی تمام شاخوں پر مشتمل تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے۔

(۱۳) اَلذِّكْر

قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک نام اَلذِّكْر بھی ہے جو

قرآن کریم کے متعدد مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پارہ ۱۴، سورۃ نحل رکوع ۶ آیت ۴۳ میں فرمایا :-

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

یعنے ان انبیاء سابقین کو روشن دلائل اور الہامی نوشتے دیکر بھیجا تھا۔ اور (اسی طرح) تجھ پر بھی ہم نے الذّکر (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے تاکہ اس تعلیم کو جو لوگوں کی طرف نازل کی گئی ہے تو کھول کر بیان کر دے۔ اس تصریح اور توضیح کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس پر غور و فکر کریں۔

قرآن مجید کو الذّکر کہنے کی حکمت

ذکر کے معنے ہیں کسی شئے کا یاد رکھنا۔ (ان سے ہر یادل ہے۔ اور ذکر کے معنے شرف اور بزرگی کے بھی ہیں۔ قرآن کریم کے اس نام میں یہ حقیقت موجود ہے۔ یاد رکھنے کے پہلو کے لحاظ سے قرآن کریم کی حفاظت کی تحدی ہے یعنے یہ ایسی کتاب ہے کہ کبھی یاد سے باہر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

یہاں الذّکر کے نزول کے ساتھ اس کی حفاظت کا وعدہ فرما کر

اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ زبان سے بھی پڑھی جائیگی اور دل سے یاد بھی رکھی جاوے گی۔ اور یاد کرنے اور اس کے ذکر کے لیئے مختلف صورتیں بھی عبادت میں رکھی گئی ہیں۔ کوئی اسلامی عمل اور رکنِ اسلام ایسا نہیں کہ اس میں قرآن مجید پڑھا نہ جاتا ہو۔ نماز ہے اس کی ہر رکعت میں قرآن کریم کا کوئی حصہ لازماً پڑھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ تلاوت قرآن کریم ایک ضروری فرض مسلمان کا ہے۔ رمضان میں تو قرآن مجید کی تلاوت ایک لازمی امر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے کہ شرف اور بزرگی کو شامل ہیں قرآن مجید کا اپنا شرف اور مجد تو ظاہر ہی ہے کہ دنیا کی تمام مذہبی کتابوں پر اسے فوقیت اور امتیاز حاصل ہے۔ اور یہ شرف و امتیاز ہر رنگ اور ہر پہلو سے ہے۔ اور پھر یہ نام اس خصوصیت کی وجہ سے بھی ہے کہ قرآن کریم انسان کی عملی زندگی میں اسے شرف اور اکرام عطا کرتا ہے۔ جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ اور اسے اپنی زندگی کا ضابطہ عمل بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں

ایک تاریخی اور معزز قوم بنا دیتا ہے

یہ مجرد دعویٰ اور تخیل نہیں ایک واقعہ اور تاریخی صداقت ہے۔ قرآن مجید اِس خصوص میں دعویٰ کرتا ہے:۔

(۱) صٓ قٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ

یعنی قرآن مجید کی صداقت کا ایک بیّن اور واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ قرآن مجید دُنیا میں ذی الذکر ثابت ہوگا۔ وہ زبان اور دل سے یاد رکھا جاوے گا۔ اس کے حُفّاظ ہوں گے۔ اور اس پر عمل کرنیوالی قوم دُنیا میں تاریخی اور معزز قوم ہوگی۔ جیسا کہ مَیں بارہا کہہ چکا ہوں کہ قرآن کریم کے نزول سے قبل عربوں کی کچھ حیثیت نہیں تھی۔ وہ دُنیا کی کسی تاریخ اور تذکرہ میں مذکور نہیں بلکہ وہ ایک مہجور اور متروک قوم کی طرح تھی۔ قرآن کریم نے اسے اس مقام رفیع پر پہنچایا جہاں دُنیا کی کوئی قوم نہیں پہنچی۔

اور نہ پہنچ سکے گی جب تک قرآن مجید کی ہدایات و تعلیمات پر عامل نہ ہو۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ دُنیا کی بعض دوسری اقوام نے فتوحات اور غلبہ حاصل کیا۔ لیکن جب ان کی فتوحات کا تجزیہ اور تحقیقات مقابلۃً کی جاوے گی تو ثابت ہو جائے گا کہ

قرآن کریم کی متبع قوم کی شان بہت ارفع اور بلند ہے اس کے شرف و علوشان کا باعث حکومتیں، سلطنتیں اور ارضی خزائن کے ڈھیر نہ تھے جو ان کو دیئے گئے۔ بلکہ ان کی علوشان کا باعث ان کی اخلاقی اور روحانی رفعت تھی۔

حکومتیں اور دُنیا کی دولت انسان کو اُوپر کی طرف نہیں نیچے کی طرف لے جاتی ہے (اِلّا ماشاء اللہ) مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی

عملی زندگی اور قدسی تاثیرات نے صحابہؓ کی زندگیوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ وہ ہر قسم کے دُنیوی مالوفات میں ہوتے ہوئے بھی ان سے الگ ہو گئے اور ان کی زندگی کا مقصدِ وحید

آستانہ الوہیت پر گرے رہنا تھا۔

وہ جن جن دُنیوی حکومتوں اور اموال کے مالک ہوتے جاتے اسی قدر ان کی روحانی عظمت کا مظاہرہ ہوتا۔ یہ قیاسی اور فرضی باتیں نہیں اسلام کے دشمنوں تک نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ مجھے ہر موقع پر یہ خلش ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے انقلاب یا خود قرآن مجید کے کمالات کے اظہار کے لئے جو امواج میرے قلب و دماغ میں پیدا ہوتی ہیں میں ان کو پورے طور پر بیان کرنے سے قاصر رہتا ہوں کہ ہر وقت مجھے اِس کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانے کا خوف دامنگیر رہتا ہے۔

پھر قرآن مجید اِس دعویٰ کا دوسرے مقام سورۃ زخرف پارہ ۲۵ آیت ۴۳ میں اس طرح پر اظہار کرتا ہے:-

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔـلُوْنَ ۝

ترجمہ:- پس تُو اس چیز کو جو تجھ پر وحی کی گئی ہے مضبوط پکڑ۔ یقیناً تُو صراطِ مستقیم پر ہے (اس کا ثبوت یہ ہے۔)

کہ یہی وحی اور یہی صراط مستقیم تیری اور تیری قوم کے
عزت و شرف کا ذریعہ ہے۔

اِن آیات میں سے پہلی آیات میں منکرین پر عذاب الٰہی کی پیشگوئی ہے۔ اور اس کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کی عظمت اور شرف کا وعدہ دیا اور بتایا کہ وہ ایک تاریخی قوم بن جاوے گی۔ اور اس کے ساتھ اس امر سے بھی آگاہ کیا کہ جب زمین اپنے خزانے ان کے لئے اُگل دے گی اور حکومتیں اور سلطنتیں ان کے قدم چومینگی۔ اور زخارفِ عالم ان کے سامنے ہوں گے۔ اس وقت ان کی ذمہ داریاں اور جوابدہیاں بھی بڑھ جائیں گی۔ اسلئے ان آفات سے جو دولت اور حکومت کے ساتھ آتی ہیں بچانے کے لئے تنبیہہ کردی وَلَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ۔

اِس سورۃ کو قرآن مجید کے دلائل صداقت اور قرآن مجید کے متاصد کے بیان سے شروع کیا ہے اور پھر قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے کے نتائج کو خود قرآن کریم کے مجد و علو کا ذکر کر کے توجہ دلائی ہے۔ اِسجگہ اس آیت میں صداقت الفاظ میں قرآن کریم کے مفہوم الذّکر کو واضح کیا ہے۔

قرآن کریم نے اپنے متبعین کو جس مقام پر پہنچایا اور جو کامیابی دعوتِ قرآن کو ہوئی وہ ایسی ہے کہ دشمنوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ جس کا میں ابھی ذکر کروں گا۔ یہاں ایک قابلِ غور نکتہ معرفت

ہے کہ قرآن مجید نے جو عزت و شرف اپنے متبعین کو عطا کیا وہ کسی ایسی قوم کو نہیں جو پہلے سے ممتاز اور مخدوم عالم تھی۔ اللہ تعالےٰ کی یہ سُنتِ مستمرہ ہے کہ وہ دُنیا کے مجبور اور متروک لوگوں کو اُٹھاتا اور خاک کو اکسیر بنا دیتا ہے۔ غرباء اور کمزوروں کی جماعت کو جنہیں لوگ حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اور ان کی مخالفت میں بڑے لوگ جو عمائدِ قوم کہلاتے ہیں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کو اس مٹھی بھر جماعت کے لئے جمع کرتے ہیں۔ مگر ہوتا کیا ہے؟ حق و باطل کے اس جنگ میں

چھوٹے بڑے اور بڑے چھوٹے ہو جاتے ہیں

اور وہ مقامِ رفیع پر پہنچ جاتے ہیں۔ واقعات اور تاریخی شواہد اسکے مؤید ہیں اور زمانہ کے آخر تک ہر عہد میں یہ نشانات نمایاں رہیں گے۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ ابتدائً قرآن کریم کی دعوت کو جن لوگوں نے قبول کیا وہ غرباء کی جماعت تھی اور عمائد و صنادید قریش نے اسکی مخالفت میں اپنی ساری قوتوں اور تدابیر کو جمع کیا اور ان سب حقیقت نفوس کو مٹا دینے کا تہیہ کیا لیکن ہوا وہی جو خدا تعالےٰ نے پہلے سے بتا دیا تھا

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

اِس معرکہ میں مختلف جماعتیں اکٹھی ہو کر حملہ کریں گی لیکن ان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ

ان کو شکست ہو گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گی

اور قرآن مجید کے اس دعویٰ کی صداقت کا اعتراف کیے بغیر کوئی مادہ پرست دہریہ بھی نہیں رہ سکتا جو اس نے ان الفاظ میں کیا تھا اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔

اس صداقت کو دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ایک عیسائی مصنف نے اپنی کتاب "اسلام کی دنیائے جدید" میں لکھا ہے کہ:۔

"ہر بڑے مذہب کا غلبہ دنیا میں اُس وقت ہوا جبکہ اس میں کوئی بڑا بادشاہ داخل ہوا جیسے عیسائیت کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ قسطنطین عیسائی ہوا۔ اور بدھ کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ راجہ اشوک نے اس مذہب کو قبول کیا۔ مگر اسلام کسی بادشاہ کا ممنون نہیں۔ بلکہ اس نے اپنے متبعین کو بادشاہ بنا دیا"

یہ وہ ثبوت ہے جو قرآن کریم کی دعوتِ عامہ اور اس کی قبولیت اور خصوصیاتِ عامہ کے متعلق غیروں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔

پھر سورۃ حم سجدہ پارہ ۲۴۔ آیت ۴۱ میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ (۴۱)

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے الذّکر کا انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا اور یقیناً وہ ایک ایسی محفوظ کتاب ہے جو ہمیشہ غالب رہے گی (۴۱)

باطل اس پر حملہ کرے گا مگر اس کا حملہ ناکام رہے گا خواہ وہ آگے سے حملہ کرے یا پیچھے سے اس لیے کہ یہ کتاب حکیم اور حمید خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ (۴۲)

اِس سورۃ کو شروع سے پڑھو تو قرآن کریم کی عظمت اور شان کا نقشہ نظر آتا ہے۔ میں نے اپنے ترجمۃ القرآن کے چوبیسویں ۲۴ پارہ میں اس کی بحمد اللہ لطیف تفسیر کی ہے اسے پڑھو۔

قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس کے اِس اسم الذّکر کو بیان فرمایا ہے اور ان تمام مقامات پر یکجائی نظر کرنے سے اس کے اس اسم کے معارف و حقائق سے ایک لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ میں اس کی تفصیل میں اب نہیں جاتا۔ ہاں قارئین کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خود غور و فکر کریں میں نے تو ایک راستہ ہموار کیا ہے۔

(۱۴) ذِکْرٰی، تَذْکِرَۃ

اسی سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم اپنا نام

ذِکْرٰی اور تَذْکِرَہ بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ سورۃ مدثر پارہ ۲۹ کی آیت نمبر ۳۱ جو ایک طویل آیت ہے کو اس پر ختم کیا

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ

اور یہ قرآن کریم تو بشر کے لئے سرمایۂ ذکر و شرف ہے۔ قرآن مجید میں جہاں الذکر نام آیا ہے اس میں اس عظمت و شرف کی وسعت کو بیان کیا ہے۔ جیسے خود قرآن کریم کی دعوت عالمگیر ہے۔ اسی طرح اسکے فیوضات کا دائرہ بھی عالمگیر ہے۔ مثلاً یہاں فرمایا ذکرٰی للبشر۔ وہ شرف جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ملتا ہے وہ مخصوص کسی فرد یا قوم یا ملک و رنگ سے نہیں بلکہ ہر بشر کے لئے جو اس کے حلقہ ارادت و اتباع میں داخل ہوتا ہے۔

اور سورۃ ص میں اسے اور وسیع کر کے فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کسی موقع پر اسے لکھا ہے کہ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دائرہ دعوت وسیع ہے قرآن کریم کا بھی اور جو صفات قرآن کریم کے بیان ہوئے ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی وہ صفات ہیں۔

اسی سورۃ مدثر کی آیت ۵۵ میں قرآن کریم کا نام تذکرہ بھی آیا ہے:۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

ایسا نہیں یہ تذکرہ ہے جو بھی چاہے اس پر عمل کر کے اپنے لئے عزت و شرف حاصل کر لے۔ پھر آگے بتایا کہ اس تذکرہ سے استفادہ کرنے والے اهل التقوی اور اهل المغفرة ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اندر ایک متقیانہ روح کو پیدا کر دیتا ہے اور گناہ سوز فطرت مومنین پیدا ہو جاتی ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت میں چھپا لئے جاتے ہیں۔ شیطان کا حملہ ان پر اثر نہیں کر سکتا۔

اسی مضمون کو سورۃ عبس پارہ ۳۰ میں فرمایا:۔

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ۝

اس میں بھی بتایا کہ یہ کسی خاص شخص کے لئے مخصوص نہیں۔ قرآن کریم کی تعلیمات میں یہ قوت، شرف اور اثر ہے کہ وہ ہر اس شخص کو دکسے باشد جو اس پر عمل کرتا ہے شرف و اکرام عطا کرتا ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

اس میں مسلمانوں کے لئے خصوصاً اور عام انسانوں کے لئے عموماً ترقی کرنے کا ایک گر بتا دیا ہے کہ دنیا میں ان کی ترقی اور کامیابی کا ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ قرآن کریم پر عمل کریں اور اسے مضبوطی سے پکڑیں۔ وہ آج اپنی ترقیات کے لئے یورپ اور مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ یورپ اپنے دستور العمل سے قعر مذلت کی طرف جا رہا ہے تعجب ہے کہ اسلام

کی تاریخ ان کے سامنے ہے اور وہ ایک تجربہ شدہ دستور العمل رکھتے ہیں مگر اس کی طرف توجہ نہیں۔ وَنِعْمَ مَا قِیْلَ ؎

دردا کہ حسن صورتِ قرآں عیاں نماند
او خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

(۱۵) الموعظۃ

قرآن کریم کے ان اسماء کریمہ میں سے جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں ایک نام موعظۃ بھی ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس پارہ ۱۱ رکوع ۶ آیت ۵۷ میں فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یقیناً ایک ایسی کتاب آئی ہے جو سراسر موعظۃ ہے دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کے چار صفات بیان کئے گئے ہیں اوّل موعظۃ دوم شفاء لما فی الصدور۔ سوم۔ ہدایت۔ چہارم۔ رحمت۔

موعظۃ لغت عرب میں اس نصیحت کو کہتے ہیں جو مؤثّر ہو اور دل کو نرم کر دے۔ نیز اس کلام کو بھی کہتے ہیں جو نیک باتوں کی ترغیب دے۔ اور بُری باتوں سے ڈرا دے۔ گویا اس کلام میں ترغیب و ترہیب ہو۔

اب قرآن مجید کو دیکھو کہ جس تعلیم کو وہ پیش کرتا ہے اس میں یہ تمام کمالات جمع ہیں۔ یعنے وہ تعلیم سراسر نیکی اور بھلائی کی تعلیم ہے اور وہ سراسر اخلاص پر مبنی ہے۔ اس کا اسلوبِ بیان و طریقِ تعلیم ایسا مؤثّر اور جاذب القلوب ہے کہ اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور جس قدر انسان اس پر غور کرتا ہے اسی قدر اس کے قلب میں محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اور خشوع و خضوع کی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ اور وہ تعلیم سراسر انسان کے مفاد اور ترقیات کے لئے رہنما ہے۔

اس تعلیم کو نفسیاتی پہلو سے مؤثّر بنایا گیا ہے۔ اور عقلی اور فطری دلائل سے مؤکد کیا ہے۔ اس لئے کہ موعظۃ کے مفہوم میں یہ امر داخل ہے کہ وہ ایسی نصیحت ہو جو مؤثّر دلائل اور اعلیٰ درجہ کے اسلوبِ بیان پر مشتمل ہو جس کی وجہ سے وہ

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

کی مصداق ہو۔ اور قرآن مجید کا یہ دعویٰ واقعات اور تاریخ سے ثابت ہے۔ خود کفارِ مکہ قرآن کریم کے سننے سے اس لئے روکتے تھے کہ وہ مؤثّر ہے۔ اور اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہتے تھے۔

پھر یہ نرا دعویٰ نہ تھا۔ اس آیت کی ترتیب اور اسلوبِ بیان خود ایک

اعجاز ہے۔ موعظۃ کے معنوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ دل نشین ہو۔ دلوں میں نرمی پیدا کرے۔ اس لئے مزید صفات کے سلسلہ میں بتایا کہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے۔

اس کتاب پر عمل کرنے والوں کے قلوب و صدور ہر ایک قسم کی بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ امراض جو رذائل پیدا کرتی ہیں اور انسان کی اخلاقیات کو تباہ کر دیتی ہیں۔ جن کے ذریعہ افراد اور قوموں میں منافرت تباغض اور تحاسد پیدا ہو کر دُنیا کا امن برباد ہو جاتا ہے۔

اس امر کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم کا یہ خاص اسلوب بیان ہے کہ جب وہ ایسے مواقع پر قلوب یا صدور یا فواد کا لفظ بولتا ہے تو اس سے مراد انسان کی اخلاقی، روحانی اور عقلی قوتوں کو مدّنظر رکھا جاتا ہے۔ اور وہ لطیف جذبات اور احساسات مراد ہوتے ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اس کی ظاہری اور مادی حیثیت مراد نہیں ہوتی۔ وہ دل اور سینہ مراد نہیں ہوتا جو طبّی تحقیقات کا مشارٌ الیہ ہوتا ہے۔

پھر اس کی اور توضیح کی قرآن کریم کے ان کمالات کا ثبوت اس پر عمل کرنے سے مل جاتا ہے جبکہ وہ مومنین کے ذریعہ ہدایت و کامیابی اور باعثِ فضلِ ربانی ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں موعظۃ کا استعمال۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات میں اِس لفظ کا استعمال ہوا ہے اور ہر موعظۃ کی تفسیر اور تشریح

ہے۔ میں مثال کے طور پر چند مقامات کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۱۲۔ آیت نمبر ۱۳۷ میں فرمایا:-

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥

یہ قرآن کریم متقیوں کے لئے ہدیٰ اور موعظۃ ہے اور عوام کے لئے بیان ہے۔ یعنے اس کی تعلیم کھول کھول کر بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے اسم بیان کی بحث میں اس پر لکھ چکا ہوں۔

(۲) سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۷۶ میں مسئلہ ربوا (سود) کی ممانعت کے احکام کے ضمن میں فرمایا:-

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى

یعنے جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے موعظۃ (نصیحت) آگئی اور وہ اس پر عمل کر کے سود لینے سے رک گیا۔

ربوا کے نقصانات اور اس کی وجہ سے جو عالمگیر بربادی امن ہوتی ہے۔ اس سے بچانے کے لئے قرآن کریم موعظۃ کا استعمال کرتا ہے۔

(۳) اسی سورۃ بقرہ کی آیت ۶۷ میں اعتدا فی السبت کرنے والوں کے انجام کو بھی موعظۃ فرمایا ہے۔

(۴) سورۃ اعراف رکوع ۱۷۔ آیت ۱۲۵ میں الواح موسیٰ میں جو تعلیم لکھی گئی اس کو بھی موعظۃ کہا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح احکامِ الٰہی پر مشتمل ہے۔ ان میں نصیحت کی ہی باتیں تھیں۔

(۵) سورۃ ہود رکوع ۱۱۔ آیت ۱۲۱ میں فرمایا:۔

"وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ذکر کی غرض اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی۔ کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ تیرے قلب کو تسلی اور تسکین حاصل ہو۔ اور اسی سلسلہ میں آپؐ کو حق، موعظہ اور ذکریٰ کا نزول ہوا ہے۔ یہ قرآن کریم کے صفات ہیں ان پر کہیں دوسری جگہ نوٹ لکھ آیا ہوں۔

(۶) اسی طرح سورۃ نحل آیت ۱۲۵ میں فرمایا:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۔ (الآیۃ)

اے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے بلاؤ۔ یہاں دعوت الی الحق کے طریق کو بیان فرمایا۔ اور ایسے بلیغ رنگ میں بیان فرمایا کہ طریق تبلیغ پر اسکی روشنی میں مجلدات لکھی جا سکتی ہیں۔ حضرت امیر المومنین مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی تفسیر کبیر میں اس پر بڑی شرح و بسط سے بحث کی ہے۔

اِس آیت میں طریقِ تبلیغ کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر کیا کہ تبلیغ کرتے ہوئے تبادلۂ خیالات اور گونہ مناظرہ کا پہلو بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق بھی فرما دیا۔ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ کہ سلسلۂ تبلیغ میں بحث کی حاجت آپڑے تو اس کے لئے بھی طریقِ کلام ایسا ہو جو احسن ہو۔ احسن کے متعدد معنے ہوسکتے ہیں، مگر بطور اصول مباحثات اور مناظرات میں مقصد احقاقِ حق ہو۔ دھڑہ بندی، ضد اور نفسانیت پر اس کی بناء نہ ہو۔ طریقِ کلام نفرت پیدا کرنے والا نہ ہو بلکہ اس کا لب و لہجہ ایسا ہو کہ دوسرے پر موثر ہو اور دل نشین ہو۔ اور تقویٰ کے طریق کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

مَیں چودہ پندرہ سال کی عمر سے مختلف اور متعدد مناظروں اور مباحثوں کو دیکھتا آیا ہوں اور خود بھی عیسائیوں اور آریوں وغیرہ سے مناظرے کئے ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ فریقین کی غرض فتح و شکست ہوتی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناظرات کو دیکھا ہے ان میں صرف ایک ہی مقصد ہوتا تھا کہ احقاقِ حق ہو اور مخاطب کو سمجھ آجاوے۔

غرض قرآن کریم کا نام موعظۃ بھی ہے۔

(۱۶) احسن الحدیث

قرآن مجید کا ایک نام احسن الحدیث ہے۔ احسن الحدیث

کے معنے ہیں بہترین بات۔ بہترین کلام۔ احسن افعل التفضیل ہے
جس پر تمام خوبیاں اور فضائل ختم ہو جاتے ہیں۔ اور حُسن کے لحاظ
سے وہ ہر خوبی اور کمال کا جامع ہو۔

کسی کلام کا احسن ہونا مختلف پہلوؤں سے ہو سکتا ہے! اوّل
یہ کہ اس کلام کا متکلّم کون ہے؟ جو عظمت اور شان متکلّم کی ہوگی وہی
عظمت اس کے کلام کی ہوگی۔ اسی لئے کہتے ہیں کلام الملوک ملوک الکلام۔
پس اس حیثیت سے قرآن کریم کی شان اور عظمت کا کیا کہنا۔ وہ اللہ
جلّ شانہٗ کا کلام ہے۔ اس لئے وہ اپنے اندر ان صفاتِ کاملہ کو لئے
ہوئے ہے جو خود حضرتِ باری عزّ اسمہٗ میں ہیں۔

دوم۔ کلام کے احسن الحدیث ہونے کا یہ بھی پہلو ہے کہ وہ اپنے
اسلوبِ بیان، ربطِ کلام، قوت و تاثیر کلام میں بے نظیر ہو۔ اور
یہ امر اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کے وقت سے تحدّی
کی، کہ اگر تم اِس وحی الٰہی میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے تو اس کا مقابلہ
کر کے دکھاؤ۔ اور آج تک کسی شخص یا قوم کو یہ ہمّت نہ ہوئی کہ اس کا
مقابلہ کر سکے۔ میں یہاں اس کی تحدّی اور اعجازی قوت کی تفصیلات
میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ ایک مستقل مضمون ہے۔ اِس وقت تو صرف ایک
واقعہ کو بیان کرنا ہے کہ قرآن کریم کی یہ تحدّی قریباً چودہ سو برس سے
چلی آتی ہے اور کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی ہمّت نہیں ہوئی۔
اور یہ اسی طرح قائم رہے گی۔

سوم :- احسن الحدیث کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ جس مضمون کو بیان کیا جاوے وہ اپنے سارے پہلوؤں میں ایسے رنگ میں جامع اور مانع ہو کہ اس میں ساری خوبیاں اور کمالات موجود ہوں۔

چہارم :- احسن الحدیث میں صرف اسلوبِ بیان ہی کامل اور بلیغ نہ ہو بلکہ وہ ہر قسم کے حشو و زوائد سے بری ہو، اور ایسا سہل اور آسان ہو کہ ہر شخص اس سے اپنے علم و فکر کے لحاظ سے فائدہ اُٹھا سکے۔

پنجم :- احسن الحدیث میں کلام کے جملہ علمی اور عملی مراتب موجود ہوں۔

غرض جو بھی خوبی کسی کلام میں ممکن ہو وہ احسن الحدیث میں اس انتہائی مقام تک موجود ہو کہ اس پر کچھ بھی مستزاد نہ ہو سکے۔ اب ہم قرآن کریم کو جس پہلو سے بہ حیثیتِ کلام دیکھیں، وہ اپنی ذات میں بےنظیر اور بے ہمتا ہے ؎

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

اب میں قرآن مجید سے اس کے اس اسم احسن الحدیث کو پیش کرتا ہوں۔

سورۃ زمر پارہ ۲۳ - آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ.

رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

یعنی:۔ اللہ تعالےٰ نے بہت ہی اعلیٰ کلام نازل فرمایا ہے وہ محفوظ ہے۔ اس کی آیات ملتی جلتی ہیں اور وہ باربار آتی ہیں (اور اس کلام کی تاثیر یہ ہے کہ) ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور پھر اُن کے قلوب اور جسم ذکر اللہ کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہی اللہ تعالےٰ کی ہدایت ہے اسی کے ذریعہ وہ بامراد کرتا اور کامیاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو اللہ تعالےٰ ہلاک کرتا ہے پھر کون ہے جو اس کو ہدایت کرے۔

اس آیت میں احسن الحدیث کے تمام مراتب کو جمع کر دیا ہے اور قرآن کریم کا نام احسن الحدیث رکھا۔ حُسنٰی اور کتٰباً متشابہاً اور مثانی بھی اس کے نام فرمائے۔ مگر یہاں دراصل احسن الحدیث کے تمام پہلوؤں کو جمع کر دیا ہے۔

اس کی تاثیرات قدسی کے لحاظ سے اس کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے قلوب پر جبروت وجلالِ ربانی کا ایک ایسا اثر پیدا کرتی ہیں کہ خوف اور خشیت الٰہی سے اس کے بدن پر رونگٹے کھڑے

ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کا کیا عجیب و لذیذ اسلوب بیان ہے؟ خوف اور خشیت انسان کے قلب میں ضعف پیدا کرتی ہے مگر یہاں فرمایا يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ - ربوبیت جس خوف کو پیدا کرتی ہے وہ انسانی ترقیات کے لئے لازمی ہے- اور اس کے بغیر انسان ربوبیت کے فیوضات خاصہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا- اور اس حقیقت کو بھی اسی مقام پر کھول دیا ہے- ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط یہ خوف اور خشیت انکے قلوب اور اجسام میں ایک ایسی لینت (نرمی) پیدا کر دیتی ہے کہ ذکر اللہ میں متوجہ ہو جاتے ہیں- ان کے قلوب اور ان کے اجسام پر خدا تعالیٰ کا حکم [illegible] نافذ ہے۔ اور کوئی قول و فعل اور حرکت اُن سے ایسی سرزد نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو- غرض یہ احسن الحدیث کا تاثیری پہلو ہے-

احسن الحدیث یا قرآن کریم کی یہاں تین صفات بیان کی ہیں:-

(۱) كِتٰبًا- وہ محفوظ ہے محفوظ رہے گی- اور ہمیشہ لکھی جائیگی-

(۲) مُتَشَابِهًا- قرآن کریم کی آیات باہم مضمون و تعلیم کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں- یعنے قرآن کریم ایک تعلیم کو برنگ دیگر مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے مگر اس میں اختلاف نہیں ہوتا اور نہ کسی قسم کا تناقض پایا جاتا ہے- بلکہ ہر مقام ایک تفسیر ہے-

(۳) تیسری صفت یہ ہے کہ وہ مَثَانِی ہے یعنے اس کلام کی
یہ ایک امتیازی خصوصیّت ہے کہ وہ ایک لطیف تکرار اپنے
اندر رکھتا ہے جو اس کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم
کا مقصد تو ہدایت ہے اور بہترین خطیب اور واعظ وہی ہو سکتا
ہے جو اپنے مقصد کو مختلف رنگوں میں جیسے پیرایہ میں پیش
کر سکے۔ قرآن کریم میں جہاں کسی امر کو بتکرار بیان کیا گیا ہے
وہاں ایک نیا رنگ اور نیا علم اور نئی معرفت بخشی گئی ہے۔
اس لئے قرآن کریم کے صفات اور اس کی تاثیرات قدسی
کا ذکر کر کے فرمایا

وَذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

یہی تو اللہ تعالےٰ کی ہدایت ہے۔ بہرحال احسن الحدیث
کے جس قدر پہلو ہیں وہ قرآن کریم میں موجود ہیں اور اس پر
کوئی امر مستزاد نہیں ہو سکتا۔ اور اپنے اندر وہ قوتیں اور
تاثیریں رکھتا ہے کہ سننے والے پہ ایک جلال اور رعب
طاری ہو جاتا ہے۔

میں اس مضمون میں مختلف مواقع پر قرآن کریم کی عظمت و شان کا
ذکر کر چکا ہوں۔ جیسے فرمایا۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى
جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ
اللّٰهِ ط

غرض قرآن کریم احسن الحدیث ہے۔

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے

جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

(۱۷) مُحِقّ

قرآن کریم کے اسماء قرآنیہ میں سے ایک نام اس کا مُحِقّ بھی ہے اور اس کے معنے ہیں حق و صداقت کی تصدیق کرنے والا۔ قرآن کا نام مُحِق اس لئے ہے کہ وہ ایسا حق ہے کہ ہر حق کی شہادت دیتا ہے۔ حق کو حق قرار دیتا ہے اور باطل کو باطل ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ سورۃ انفال آیت میں فرماتا ہے لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ یعنے وہ حق کو حق قرار دے اور باطل کے بطلان کو ثابت کر دے۔

قرآن کریم کے اسم حق کے متعلق قرآن کریم کے متعدد مقامات میں ذکر آیا ہے اور کسی قدر کچھ ذکر آیا ہے یہاں قرآن کریم کے اسم مُحِقّ کی بحث ہے۔

باطل کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آخر اسے شکست ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے اس اسم کی حقیقت سے ناواقف لوگ یا تعصب اور تلبیس حق کر کے عیسائیوں وغیرہ نے قرآن کریم کی ان آیات پر اعتراضات کئے ہیں جن میں توراۃ یا انجیل کی تصدیق کا ذکر ہے۔ ان حق ناشناس لوگوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ قرآن مجید تو ہر حق کی

تصدیق کرتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے نبیوں پر اس کا کلام اُترا اس لیئے قرآن مجید نے بتایا کہ خدا تعالےٰ پہلے انبیاءؑ سے بھی کلام کرتا تھا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی نے تورات دی اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی خدا تعالےٰ سے شرفِ ہمکلامی پاکر بشری (انجیل) لائے۔ اور قرآن مجید نے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی۔ اور خود انہوں نے اقرار کیا کہ انجیل و تورات مبدّل و محرّف ہیں۔ اور یہی قرآن مجید کے مصدّق ہونے کا ثبوت ہے۔

قرآن مجید کے مصدّق ہونے کا یہ بھی مفہوم ہے کہ اس نے بتایا اور تصدیق کی کہ خدا تعالےٰ نے تمام اقوام میں اپنے اپنے وقت پر اس نے اپنے نبیوں کو بھیجا چنانچہ فرمایا اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ کوئی اُمّت ایسی نہیں گذری جس میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

پھر قرآن کریم نے اُن سُنَن الٰہیہ کی تصدیق کی جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت، ان کی تبلیغ اور ان کی کامیابی اور ان کے دشمنوں کی ناکامی سے متعلق ہیں۔

پھر قرآن کریم نے ان تمام پیشگوئیوں کی اپنے نزول سے عملی رنگ میں تصدیق کی جو انبیاءِ سابقین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کریم کے ذریعہ پوری ہونے والی تھیں۔

اور پھر قرآن مجید علمی رنگ میں ان تمام صداقتوں اور علمی انکشافات

کی تصدیق کرتا ہے جو نزولِ قرآن کے زمانہ سے بہت بعد ہونیوالے تھے اور اسی لئے ہمارا یہ دعوےٰ ہے جس کو ہم بفضلہٖ ہمیشہ ثابت کرنیکو تیار ہیں کہ کوئی ایسا علمی مسئلہ یا صداقت نہیں جو قرآن کریم اس کی تصدیق نہ کرتا ہو۔ یہ بجائے خود ایک علمی مضمون ہے اور انشاءاللہ قرآن مجید کی علمی فضیلت کے سلسلہ میں بیان ہو گا۔

غرض قرآن مجید کے نام مصدّق کی یہ مختصر حقیقت ہے۔ اب میں مختصراً بعض ان آیات کو پیش کرتا ہوں جہاں اس اسم کا اظہار ہے۔

(۱) سورۃ احقاف پارہ ۲۶ - رکوع ۲ - آیت ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ :- اور یہ کتاب اس امر کی مصدّق ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب امام اور رحمت تھی، اور اس کی صداقت کا یہ ثبوت اور طریق ہے کہ وہ اپنے انکار کرنیوالوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتی ہے اور محسنین کے لئے بشارت ہے۔

گویا اس آیت میں مصدّق کے دو پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اوّل جو صداقت حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے اس کی تصدیق کرتی ہے۔ دوسرے یہ حق کی مصدّق ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے منکرین پر عذاب الٰہی نازل ہو گا اور ماننے والے اللہ تعالےٰ

کے فضلوں کے وارث ہوں گے۔ اس پیشگوئی کا پورا ہونا اس کے مصدّق ہونے کی ایک بیّن دلیل ہوگی۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) سورۃ نساء پارہ ۵ رکوع ۷۔ آیت ۴۸ میں فرمایا:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا....

یعنی اے اہل کتاب ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے۔ جو مصدّق ہے اس صداقت کا جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مونہوں کو مٹا دیں اور انہیں ان کی پیٹھ پر لوٹا دیں یا ان پر لعنت کریں جس طرح پر کہ ہم نے سبت والوں کو ملعون بنایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہو ہی چکا ہے۔

مُنہ کو مٹا دینے سے مراد عزّت کو ذلّت سے بدل دینا ہوتا ہے۔ عام طور پر معزز آدمی کی وجاہت کا ذکر کیا جاتا ہے اور وجاہت انسانی شرافت و عزّت کا نشان ہے۔ اور جب کہا جاوے کہ مُنہ کو پیٹھ پر لوٹا دیا ہے تو مراد ہوگی کہ اسے ذلیل کر دیا۔ یعنے اس کی وجاہت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ پس یہاں بھی اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کے مصدّق ہونے کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ کہ وہ صرف حق کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا انکار ملعون اور مغضوب بنا دیگا۔ یہ مقام اِس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے بھی قابلِ غور ہے کہ انہوں نے اگر خدا تعالیٰ کے فرستادہ

مسیح موعود کا انکار کیا تو وہ اسی ذلّت کے مستحق نہ ہو جاویں۔

(۳) سورۃ مائدہ پارہ ۶ - آیت ۴۷ میں فرمایا:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ....الخ

ترجمہ:- اور ہم نے تجھ پر وہ محفوظ کتاب اتاری ہے جو حق کی تصدیق کرتی ہے اور ان تمام پیشگوئیوں کی بھی تصدیق کرتی ہے جو ان کی کتابوں میں (جو ان کے پاس ہیں) تھیں اور یہ کتاب مہیمن ہے ان تمام صداقتوں کی پس تو ان کے مابین اسی کے موافق فیصلہ کر جو اللہ تعالےٰ نے نازل کیا ہے اور انکی بگڑی ہوئی خواہشوں کی اتباع نہ کر جبکہ تیرے پاس حق آگیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے تین ناموں کو یکجا کر دیا ہے۔ مصدّق - حق - مہیمن - اور اس کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ کتب سابقہ کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ان میں جو پیشگوئیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے متعلق ہیں ان کے پورا ہونے سے اپنے مصدّق ہونے کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ دوسرے وہ یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید ان سابقہ کتب الٰہیہ کا مصدّق ہی نہیں وہ ان کی تعلیمی صداقتوں کا امین اور نگہبان بھی ہے یعنی جو التباس اور تبدیل و تحریف ان میں ہوتی ہے اس کو غلط ٹھہراتا ہے اور جو صحیح تعلیم اصل موجود تھی وہ خود اپنے اندر لے کر

(فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ) اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس طرح یہ حق ہو کر حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید کے مہیمن ہونے کے سلسلہ میں اہلِ کتاب کی غلطیوں اور اختلافات کی تفصیلی بحث بھی ہو سکتی ہے۔ ان اختلافات میں سب سے بڑا اختلاف حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کے وجود کے متعلق ہے ان کی ذات اور شخصیّت کے متعلق ان کی پیدائش اور موت کے متعلق یہود و نصاریٰ کے درمیان بڑے بڑے اختلافات ہیں۔ بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی اختلافات ہیں مگر یہ مقام اس کے لیے نہیں ہے۔ میں ان مسائل کے ذریعہ قرآن کریم کے مقام رفیع کو پیش کر کے اس کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے میری مدد فرمائی اور توفیق ملی تو قرآن مجید کے فیصلہ جات میں وہ تمام تصریحات آ جائیں گی۔ انشاء اللہ القدیر وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ یہ رسالہ تو ایک کڑی ہے۔ اس سلسلہ میں متعاقب جو رسالجات آئیں گے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا تو علم و معرفت میں ایک ایمان افروز اضافہ کریں گے۔

تبرّکات!

قرآنِ کریم کے اسماءِ قرآنی میں سے بعض کا ذکر میں نے کسی قدر تفصیل سے کیا ہے اور بعض اسماء ضمناً آ گئے ہیں۔ میرا مقصد اس تالیف سے قرآنِ کریم پر تدبّر و تفکّر کی ایک راہ کھولنا اور اس کی طرف احباب کو توجّہ دلانا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ہی ساری سعادتوں کا مرکز ہے اور اسی کے چشمۂ فیض سے حیاتِ ابدی اور حقیقی نور ملتا ہے۔ قرآن کریم ایک کتاب العمل ہے اور عمل کے لئے اس کا فہم لازمی۔ اس زمانہ میں قرآن مجید کی حقیقی عظمت اور شان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازسرِنو قائم کیا ہے۔ کیا اس کے حقائق و معارف کے اظہار و تبلیغ سے دُور کیا۔ قرآن کریم کی عملی تاثیرات کو اپنے وجود کے ذریعہ ظاہر کر کے اس پر عمل کرنے والی جماعت کو پیدا کیا۔ میں نے جو کچھ بھی پچھلے اوراق میں لکھا ہے اسی نور کی روشنی سے اقتباس کر کے اور اسی چشمۂ معرفت سے ایک جرعہ پی کر

دگرنہ چوں منے کے یابد ایں رُشد و سعادت را

اسماءِ قرآنی کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام پر اس بحث کو ختم کروں۔ قبل اس کے کہ میں اس مبارک

کلام کو درج کروں۔ حضرتؓ کی زندگی کا یہ ایک نمایاں کام ہے کہ آپؓ نے ہر میدان میں صرف قرآن کریم کو لے کر دشمن کو شکست دی۔ ان معرکہ ہائے مذہبی کی تاریخ طویل ہے۔ مَیں نے اس کا تذکرہ

حضرت مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے علام کلام[1]

میں کیا ہے۔ پنڈت کھڑک سنگھ (بعد میں پادری کھڑک سنگھ) آریہ کے مباحثہ میں آتھم کے مباحثہ میں اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے مباحثہ لدھیانہ میں یہی مرکزِ بحث تھا۔

حضورؑ نے اس مباحثہ میں یہ اعلان فرمایا کہ :-

"مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیمِ الٰہی میرے شاملِ حال ہے اور وہ عزّ اسمہٗ جس وقت چاہتا ہے بعض معارفِ قرآنی مجھ پر کھولتا ہے۔ اور اصل منشاء بعض آیات کا معہ ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اب مَیں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے دل پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں" (الحق لودھیانہ)

پس آپ کو جو علم قرآن دیا گیا وہ خدا تعالےٰ کی عطا ہے چنانچہ آپؑ کو یہ الہام ہوا۔ الرّحمٰن علّم القرآن۔ اسی مباحثہ

---

[1] یہ کتاب قریباً مکمّل ہو چکی ہے (عرفانی کبیر)

میں قرآن کریم کے حَکَم ہونے کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی ابتداء ہی میں اُلجھ گیا۔ آپؑ نے اس سلسلہ میں جو فرمایا اس کے چند اقتباسات بطور تبرّک درج کرتا ہوں۔ وللہ الحمد :-

(۱) "اور یہ بات جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری یا مسلم کو مَیں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو مَیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اگر کسی حدیث کو مَیں نے قرآن کریم سے مخالف پایا ہے تو خدا تعالےٰ[1] نے تاویلی کا باب میرے پر کھول دیا ہے۔ اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار

---

[1] یعنی سچے اور حقیقی معنوں کا۔ عوام الناس نے جو علم الٰہی سے مطلق ناآشنا ہیں تاویل کو مرادف وہم بلکہ تحریف و تسویل کے سمجھ رکھا ہے یہ محض ان کی کوتہ فہمی ہے۔ انہیں اس لغت کے معنی خود قرآن کریم سے سمجھنا چاہیئے جہاں حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء یہ ہے کہ جہاں کوئی ایسی حدیث آئی ہے جو بظاہر خلاف قرآن معلوم ہوتی تھی اللہ جلّ شانہٗ نے الہاماً مجھ پر اس کے حقیقی معنے کھول دیئے۔ (مؤلف)

ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔ میری
اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا بار ثبوت میرے
ذمہ نہیں۔ بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان
لاتا ہے خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے اسی اعتقاد کا پابند
جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم کو میزان
اور معیار اور محک سمجھتا ہو گا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم
خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فَبِاَیِّ
حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ۔ اور فرماتا ہے قُلْ اِنَّ
ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی اور فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ اور فرماتا ہے ھُدًی لِّلنَّاسِ
وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی اور فرماتا ہے اَنْزَلَ الْکِتٰبَ
بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ۔ اور فرماتا ہے اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ
لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ تو پھر اس کے بعد کون ایسا مومن ہے جو
قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حَکَم مقرر نہ کرے؟ اور جبکہ وہ
خود فرماتا ہے کہ یہ کلام حَکَم ہے اور قول فصل ہے اور حق اور
باطل کی شناخت کے لئے فرقان ہے اور میزان ہے تو
کیا یہ ایمانداری ہو گی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر
ایمان نہ لائیں؟ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ
مذہب ہونا چاہیئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو

قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔ سو چونکہ مومن کے لئے یہ ایک ضروری امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حَکَم مقرر کرے اسلئے ثبوت اِس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حَکَم مقرر نہیں کیا آپ کے ذمہ ہے نہ میرے ذمہ۔"

"سو ان حدیثوں کی حقیقی صحت کا پرکھنے والا قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف جس قدر اپنے محامد اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے ان پر نظر غور ڈالتے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسوا کی تصحیح کے لئے محک ٹھہرایا ہے اور اپنی ہدایتوں کو کامل اور اعلےٰ درجہ کی ہدایتیں بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے فیها کتب قیّمة۔ فصّلناه علیٰ علمٍ۔ یهدی به الله من اتّبع رضوانه سبل السّلام و یخرجهم من الظلمٰت الی النور۔ و یعلّمکم ما لم تکونوا تعلمون۔ قل انّ هدی الله هو الهدیٰ فمن اتّبع هدای فلا یضلّ و لا یشقی۔ لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه فمن یّکفر بالطّاغوت و

يؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا
انفصام لها۔ ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم۔
ان في هذا لبلاغا لقوم عابدين۔ وانه لحق اليقين
حكمة بالغة۔ تبيانا لكل شي۔ روحا من امرنا۔
نور على نور۔ انزل الكتب بالحق والميزان۔ هدى
للناس وبينات من الهدى والفرقان۔ انه لقرآن
كريم في كتب مكنون فصلناه على علم

لا ريب فيه۔ وما انزلنا عليك الكتب
الا لتبين لهم الذين اختلفوا فيه وهدى و
رحمة لقوم يؤمنون۔ قل نزله روح القدس
من ربك ليثبت الذين آمنوا وهدى و بشرى
للعلمين۔ هذا بيان للناس و موعظة للمتقين
بالحق انزلناه وبالحق نزل قل هو للذين آمنوا
هدى و شفاء۔ ما كان حديثا يفترى۔ اب
ظاہر ہے کہ خدا تعالے نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور
حقیقتیں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ کہ وہ تمام
صداقتوں پر مشتمل ہے۔ (۲) وہ مفصل کتاب ہے۔ (۳) وہ
ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے کہ جو خدا تعالے کی رضامندی
کے اور دار السلام کے طالب ہیں۔ (۴) وہ ظلمات سے نور

کی طرف نکالتا ہے اور نامعلوم باتیں سکھاتا ہے۔ (۵) ہدایت اسی کی ہدایت ہے۔ (۶) باطل اس کی طرف کسی طور سے راہ نہیں پا سکتا۔ (۷) جس نے اس سے پنجہ مارا اس نے عروۃ وثقیٰ سے پنجہ مارا۔ (۸) وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ (۹) وہ حق الیقین ہے اس میں ظن اور شک کی جگہ نہیں۔ (۱۰) وہ حکمت بالغہ ہے۔ اس میں ہر یک چیز کا بیان ہے (۱۱) وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لئے محک بھی ہے۔ (۱۲) وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے اور حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔ (۱۳) وہ قرآن کریم ہے کتاب مکنون میں ہے۔ جس کے ایک معنے یہ ہیں کہ صحیفہ فطرت میں اس کی نقلیں منقوش ہیں یعنی اس کا یقین فطری ہے جیسا کہ فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۱۴) وہ قول فصل ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں (۱۵) وہ اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (۱۶) وہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اب فرمایئے کہ یہ عظمتیں اور خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے؟ پس میرا مذہب فرقہ ضالہ "نیچریہ" کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو

ملحد اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں - بلکہ میں جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں صرف عاجزی اور انکسار کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر ایک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت و عدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک ہے اور مجھ کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں - اور اگر اس خدمت گذاری میں علماء وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھ کو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا - بلکہ خدا تعالےٰ سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ وہ بصیرت انہیں عطا فرما دے جو مجھے عطا فرمائی ہے - نیچریوں کا اول دشمن میں ہی ہوں اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشاء پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء اس کی مخالفت کرینگے اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامہ میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ (۱۰۷) میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئیگا تو علماء وقت اس کو اہل الرائے کہیں گے - یعنی یہ خیال کریں گے

کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ +

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
(مسیح موعودؑ)

آخری بات آپ کی توجہ کے لئے

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

میں اس عنوان کے ذریعہ ایک ضروری امر کا اظہار کرتا ہوں اور احباب جماعت کو توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم نے میری دستگیری فرمائی اور ان ایام میں جبکہ انسان جوانی کی ترنگوں اور امنگوں کی وسیع وادی میں داخل ہوتا ہے مجھے اپنے نور کی طرف رہنمائی فرمائی۔ میرے اس زمانہ کے جاننے والے اور سلسلہ احمدیہ کے تلخ تریں مخالف (مولوی ابوسعید محمد حسین) کا رسالہ اشاعۃ السنہ گواہ ہے کہ محکمہ نہر کے ایک معزز عہدہ کو چھوڑ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل و دماغ میں سلسلہ احمدیہ کی قلمی خدمت کے لئے ایک جوش پیدا کیا یہ محض اس کا فضل و کرم تھا

وگرنہ چوں منے کے یا بداین رشد و سعادت را

باوجود کم مایہ کم علم ہونے کے اس نے مجھے نوازا اور الحکم کے ذریعہ اُس نے وہ کام لیا (جو سراسر اس کے کرم ہی کا کرشمہ ہے) کہ آج سلسلہ کی تاریخ

میں کسی مرحلہ کا ذکر الحکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور جس نے اسے زندہ جاوید بنا دیا۔ اور فنا اور موت اُسکے ہاتھ سے اسے محفوظ کر دیا۔

الحکم کے ساتھ ہی مجھے دو باتوں کا زبردست جوش رہا۔ ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات کی اشاعت اور آپ کے پُرانے مضامین و مکتوبات کی حفاظت دوسرے قرآن مجید کے حقائق و معارف کے لئے دلچسپی پیدا کرنا۔

چنانچہ الحکم سب سے پہلا منادی ہے جس نے قرآن مجید کے درس کے تفسیری نوٹ شائع کرنے شروع کئے۔ پھر اسی سلسلہ میں سورۃ بقرہ کی پوری تفسیر اور ترجمۃ القرآن کے رنگ میں قریبًا دس پاروں کا ترجمہ اور نوٹ شائع کر دیئے۔

میری حالت ایک سر دھڑ کے سودا کی تھی اور ہے۔ میں نے ہمیشہ اس چیز کو قوم کی ہمت سمجھا کہ حتی الامکان الفاظ کی دلچسپ تفصیل میں اسے توجہ دلاتا رہوں۔ ایک آدھ مرتبہ ایک امر کا اظہار کر دیا اور خاموش رہا۔ اور جو کام مجھ سے ہو سکا کرتا رہا۔

میرے کام میں توقّف اور تعویق پر اعتراض کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے من وجہ جواب دیا کہ جس کام کو میں تنہا کرتا تھا اس کو وہ سب مل کر بھی پورا نہ کر سکے۔ بہر حال میں اپنے جنون میں جو مجھ سے ہو سکا کرتا گیا اور کر رہا ہوں۔

ترجمۃ القرآن کے کام کو جب میں جاری نہ رکھ سکا تو میں نے

قرآن مجید کے فہم کے لئے ایک دوسرا طریق اختیار کیا کہ
اسی سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کروں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں
(١) الاسماء الحسنٰی (٢) مقطعات قرآنی کی فلاسفی شائع ہوئے
اب اسی سلسلہ میں یہ رسالہ اسماء القرآن فی القرآن
ترتیب پا گیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ رسالہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کی اس خواہش کی تکمیل کی بنیادی اینٹ کے طور پر ہے جو آپ نے
تفسیر کبیر میں ظاہر فرمائی کہ میں چاہتا ہوں کہ جدید اتقان لکھی جاوے
میں نے یوسف کی خریدار بڑھیا کے رنگ میں آگے بڑھنا پسند کیا
میری نیت اور مقصد اس خواہش کے پورا کرنے والوں میں کھڑا
ہونے کا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فضل و رحم پر
بھروسہ کرکے میں نے مزید کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ اس
رسالہ کی اشاعت کے بعد میں دوسرے رسالہ کا انشاء اللہ اعلان
کروں گا۔

میں صرف ان دوستوں سے خطاب کرتا ہوں، جو
قرآن کریم کے حقائق و معارف کی اشاعت کے لئے اپنے
دل میں جوش رکھتے ہیں اور اس خدمت کو اپنے لئے ذریعہ
ذریعۂ سعادت یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کام میں میرے ساتھ
تعاون کریں۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ اس سلسلہ

میں جو رسالجات شائع ہوں وہ اُن کی متعدد کاپیاں خرید کر اپنے غیر مسلم یا غیر احمدی دوستوں کو بطور ہدیہ دیں اور اس کی توسیع اشاعت کے سامان پیدا کریں۔ اور مستقل طور پر اس سلسلہ کے سرپرست ہو کر اس کام کے جاری رکھنے میں میرے معین ہوں۔ اللہ تعالےٰ ہر اُس شخص پر رحم کرے جو میری اس بات کو توجہ سے سنے اور اس کے لئے اپنا دست تعاون دراز کرے۔

میں کچھ عرصہ سے اللہ تعالےٰ کی نہاں در نہاں مشیت کے ماتحت سکندر آباد میں مقیم ہوں اس لئے جملہ خط و کتابت یہاں ہی کے پتہ سے ہو۔

خاکسار - عرفانی کبیر
مؤسس و ایڈیٹر الحکم وغیرہ

الہ دین بلڈنگ سکندر آباد (دکن)

خاکسار اکمل سے ہدیۂ تشکر

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت عرفانی کبیر کو سلسلہ احمدیہ
کے ارتقائی کاموں میں بالخصوص جو نشر و اشاعت سے متعلق ہیں
ہر طرح کا تقدم عطا فرمایا ہے والفضل للمتقدم آپ ہی ہیں جن سے
سلسلہ حقہ میں اخبار نویسی کی ابتدا ہوئی قادیان میں پریس قائم
کیا اخبار الحکم جاری کیا اور سیدنا احمد آخر الزمان کے
کلمات طیبات اور حالات و مقالات جمع کرنے کی سعادت
نصیب ہوئی آپ نے کچھ کتابیں علم کلام پر بھی لکھیں اور
حقیقۃ الصلوٰۃ وغیرہا سے احکام اسلامی کی حکمتیں بیان
کر کے ذوق و شوق مومنین میں اضافہ کیا پھر تفسیر القرآن
شروع کی آپ اسے ملاحظہ فرمائیں تو حیران ہو جائیں گے کہ ایک شخص
جو اصطلاحی مولوی نہیں کیسے معارف و حقائق بیان کرتا ہے
کہ سبحان اللہ و بحمدہٖ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
اور حضرت علامہ نور الدین خلیفہ اول کے فیض صحبت کا اثر
تھا اور ہے۔ اب یہ رسالہ عجالہ لکھا ہے اس کا نام بھی تبانا

ہے کہ مکرمی شیخ صاحب کو علم و عرفان کی وہ بات سوجھی ہے جو
علماء متقدمین مفسرین پیشین کو نہیں سوجھی اسماء اللہ اور
اسماء النبی پر تو کئی عالموں نے کچھ لکھا مگر اسماء القرآن پر کچھ لکھنے
کی سعادت حضرت عرفانی کبیر کیلئے ودیعت چلی آتی تھی ماشاء اللہ
مجھے اسکے مطالعہ سے استفادہ کا خوش بختی سے پہلے موقعہ مل گیا۔
اور حق یہ ہے کہ صفحے صفحے پر احسنت مرحبا کہتا رہا۔ قرآن کا ایک
اسم ہے کہ پھر اس پر جو پُر معارف بیان لکھا ہے اس سے معلوم
ہو سکتا ہے کہ آپ کی حقایق اسلام پر کس قدر وسیع نظر ہے۔
گویا تمام مضامین قرآنی کو یہ نہج جدید قلمبند کر دیا۔ اور
نقوش دینی میں معرفت کا رنگ بھر دیا جزاء اللہ احسن الجزاء

احباب اسے نقد جان دے کر بھی خریدیں تو یہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز کی مصداق ہے۔ خدا
محترم برادر عرفانی کبیر کی عمر میں برکت دے تو آپ کے
ارادے کے مطابق دیگر رسائل سے مستفید و مستفیض ہوتے رہیں

[illegible] ۱۹ ء

ہیچمیرز اکمل اللہ شاہ [illegible]